

تظم آزاد

جو حسن عشق کی قید سے آزاد ہے

صفحہ

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد
سابق پروفیسر ریزی گورنمنٹ کالج لاہور

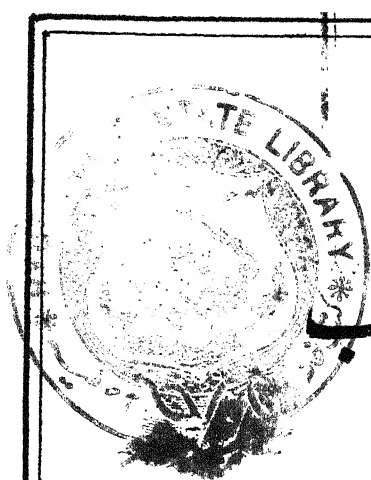
۱۸۹۹ء

منقید پر س لاہور میں چھپی

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	تمہید	ب
۲	نظم اُردو پر لکچر	۱
۳	مثنوی شب قدر شام کی آمد اور رات کی کیفیت	۹
۴	مثنوی صبح امید	۱۶
۵	مثنوی حب وطن	۲۴
۶	مثنوی خواب امن	۳۴
۷	مثنوی داد انصاف	۴۴
۸	مثنوی وداع انصاف	۵۴
۹	مثنوی گنج قناعت	۶۰
۱۰	مثنوی ابر کرم	۶۸
۱۱	مثنوی زمستان	۷۳
۱۲	مثنوی مصدر تہذیب	۸۱
۱۳	مثنوی شرافت حقیقی	۸۹
۱۴	معرفت الہی	۹۲
۱۵	الو العز می کے لئے کوئی سدا رہ نہیں	۹۴
۱۶	سلام علیک	۹۶

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱۷	جسے چاہو سمجھ لو	۱۰۱
۱۸	جغرافیہ طبعی کی پیملی	۱۰۳
۱۹	مبارکباد جشن جوہلی	۱۰۶
۲۰	ایک تارے کا عاشق	۱۰۸
۲۱	محنت کرو	۱۰۹
۲۲	قصیدہ در تہنیت ولادت جناب امیر المومنین { علی ابن ابی طالب علیہ السلام	۱۱۰



بمختور جناب

کرنیل ڈبلیو آر ایم۔ مال رائڈ صاحب بہادر
سابق ڈائریکٹر سرسریہ تعلیم پنجاب

اے ملکِ سخن کے بادشاہ! نظم اردو زبان زبان پر شکر گزار
ہے۔ کہ آپ کی توجہ سے وہ بندِ حسن و عشق سے آزاد ہوئی۔ فقیر
آزاد کے پاس کیا ہے جو آپ کے پیشکش کرے۔ کچھ بھی نہیں۔ ہاں!
یہ چند بکھرے ہوئے پھول آپ کے بااقبال نام سے چُن کر حاضر ہوتا
ہے۔ کہ آپ پر نثار کرے ۞ یا اللہ تو مقبول خاص و عام کر ۞

ہے دل سے پس گرچہ سلامی ہے دور کا
جو ہے سو ہے مگر ہے دعا گو حضور کا

آزاد بامراد جو بندہ ہے آپ کا
ہے بے ہنر کربا ہنرا چھا ہے یا بُرا

بندۂ آزاد محمد حسین

تمہید

عرصہ دراز سے والد ماجد کے احباب متقاضی تھے کہ اُن کی نظموں کو جمع کر کے شائع کر دیا جائے۔ میں نے بھی مناسب سمجھا پچھٹے پرانے پُرزے چھوٹی چھوٹی نظمیں جو کہیں کہیں طبع ہو چکی تھیں۔ اور بعض تھیں کہ لوگوں کی نظر سے بھی نہیں گذری تھیں۔ ممکن تھا کہ ضائع ہو جائیں۔ اس لئے جمع کر کے ایک پیفلٹ کے طور پر چھپوا دی ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس قسم کی بہت سی نظمیں مجھے ہاتھ نہ آئیں۔ معلوم نہیں حالات پریشانی میں کہاں ضائع ہو گئیں؟

شعر و شاعری کا شوق انہیں ابتدائے عمر سے تھا۔ جیسا کہ دیوان ذوق کے ابتدائی صفحوں میں انہوں نے خود تحریر فرمایا ہے۔ اور طالب علمی کے زمانہ سے استاد ذوق علیہ الرحمۃ کی حضوری میں رہتے تھے۔ خود بھی کہتے تھے۔ استاد مرحوم کی وفات کے بعد خود کہنے کی زیادہ ضرورتیں لاحق ہوئیں۔ اور اپنا کلام مشاعروں میں پڑھنے لگے۔ لیکن اُس وقت صرف غزل۔ رباعی۔ قصیدہ وغیرہ تک شوق محدود رہا۔ افسوس ہے کہ اُس وقت کا کلام جس قدر تھا ۱۸۵۷ء کے طوفان میں تباہ ہو گیا۔ اور اس کا کوئی نمونہ اس وقت میرے پاس نہیں جو اس مجموعہ میں شامل کروں۔ البتہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب جگراؤں پہنچے۔ اور پھر سرکارِ جیند میں ملازم ہوئے۔ تو انہوں نے سلام۔ مرثیہ۔ قصائد اور غزلیں لکھیں۔ ان میں سے بعض مجھے ہاتھ آگئیں۔ لیکن اس مجموعہ میں صرف ایک قصیدہ

درج کیا گیا ہے (دیکھو صفحہ ۱۱۰)۔ مرثیہ وغیرہ چھوڑ دئے ہیں۔ اس کے
 بعد روزی کی فکر نے عرصہ دراز تک فرصت نہ دی کہ شاعری کی طرف
 توجہ کرتے۔ تھوڑے دنوں کے بعد جب دفتر ڈائریکٹری میں تصنیفات کے
 کام سے تعلق ہو گیا۔ اس وقت پھر خیال اس طرف متوجہ ہوا۔ کیونکہ
 کرنیل ہارلڈ صاحب بہادر اعلیٰ درجہ کے مبصر۔ نکتہ سنج اور زبان دانی
 کے شوقین تھے۔ ان کی طبیعت کو نیچر نے خاص ملکہ اس کام کا دیا تھا۔
 دنیا کا عام قاعدہ ہے کہ جس کام کا شوق حکام کو ہو جاتا ہے۔ اسی طرف
 ماتحت بھی متوجہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ صاحب موصوف کی ہدایتوں
 کے بموجب انہوں نے اس نئے ڈھنگ کی نظم لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ جو کہ
 اب خاص و عام لکھنے لگے ہیں۔ اور گھر گھر میں ذوق و شوق سے پڑھی
 جاتی ہیں۔ سب سے پہلے نظم اور اُسی کے متعلق ایک مضمون انہوں نے
 مئی ۱۹۳۷ء میں انجمن پنجاب کے جلسہ میں پڑھا۔ جو اس مجموعہ کے صفحہ ۱۱
 سے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت پُرانے خیالات کے لوگوں نے اس کی
 بڑی مخالفت کی۔ اور ہندوستان کے مختلف اخبارات میں خوب
 گالیاں دیں۔ مگر قدرتی موج کو کسی طرح روک نہ سکے کہ چشمہ نہ نکلا تھا۔
 البتہ اتنا اثر اس مخالفت کا ہوا کہ مشاعرہ ایک سال سے زیادہ نہ رہ سکا
 اس کی بنیاد ایسے مبارک وقت میں پڑی تھی۔ کہ اب ہر شہر و دیار میں اسی
 قسم کی نظمیں تصنیف ہوتی ہیں۔ اور لوگ اُن کو قومی نظمیں کہتے ہیں۔
 مشاعرہ مذکورہ بالا کے بند ہونے کے بعد وہ کبھی کبھی انگریزی
 نظموں کے انداز پر نظم لکھتے رہے۔ یہ بالکل انگریزی نظم کا ترجمہ نہیں
 ہیں۔ چنانچہ ناظرین مقابلہ کر کے دیکھیں گے کہ انگریزی نظم (ایکسٹیشیو) کے

انداز پر جو نظم ہے (دیکھو صفحہ ۹۴۔ الوالعربی کے لئے کوئی ستی راہ نہیں)۔ وہ ترجمہ نہیں ہے۔ البتہ انگریزی مطالب کو ہمارے انداز میں اُردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اسی طرح تمام نظمیں صفحہ ۸۹ سے ۱۰۳ تک انگریزی مطالب ہیں۔ مگر اُن کو نہیں کہہ سکتے۔ کہ یہ انگریزی کا ترجمہ ہے۔ والد ماجد کے مختلف احباب سے التماس ہے کہ اگر کوئی نظم اُن کے پاس ایسی موجود ہو جو اس مجموعہ میں شامل نہ ہو۔ تو وہ براہ عنایت میرے پاس ارسال کریں تاکہ طبع ثانی میں شامل کر دیا جائے۔ اس موقع پر میں نے چاہا تھا کہ والد ماجد ان مسودوں پر نظر ثانی کر دیں۔ مگر وہ چند سال سے فلسفہ الہیہ اور اُس کی کتابوں کے مطالعہ کو سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔ طبیعت ادھر نہ آئی۔ فرمایا: ”جو ہو گیا۔ سو ہو گیا۔ اب نہیں ہو سکتا۔ وہ عالم اور تھا۔ یہ عالم اور ہے۔ تمہیں شہرت کا شوق ہے۔ چھپوا دو“ مجھ سے یہی ہو سکا۔ کہ جس طرح اصل مسودوں میں تھا چھپوا دیا۔ پروردگار حسن قبول روزی کرے۔

خاکسار

محمد ابراہیم

مترجم چیف کورٹ پنجاب

لاہور

مؤرخہ ۲۴۔ جولائی ۱۸۹۹ء

نظم اور کلام موزوں کے باب میں خیالات

فلاسفہ یونان کا قول ہے۔ کہ دنیا میں دو چیزیں نہایت عجیب و حیرت انگیز ہیں۔ اول نبضِ انسانی کہ بے گویائی حالِ باطن بیان کرتی ہے۔ دوم شعر کہ انہیں الفاظ کے پس و پیش سے کلام میں موزونیت اور اُس سے ایک تاثیر عجیب دل پر پیدا ہوتی ہے۔ کتابوں میں اکثر شعر کے معنی کلام موزوں و مقفے لکھے ہیں۔ لیکن درحقیقت چاہئے۔ کہ وہ کلام مؤثر بھی ہو۔ ایسا کہ مضمون اُس کا سننے والے کے دل پر اثر کرے۔ اگر کوئی کلام منظوم تو ہو۔ لیکن اثر سے خالی ہو۔ تو وہ ایک ایسا کھانا ہے۔ کہ جس میں کوئی مزا نہیں۔ نہ کھانا بیٹھا۔ جیسا کہ شعر کسی استاد کا ہے ۵

دندانِ تو جملہ درد ہانند چشمانِ تو زیرِ ابرو اند
جب انسان کے دل میں قوتِ گویائی اور جوشِش مضمون مجتمع ہوتے ہیں تو طبیعت سے خود بخود کلام موزوں پیدا ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قدر ایسی قوت اور اُس قوت کا جوش و خروش زیادہ ہوگا۔ اُسی قدر کلام پر تاثیر ہوگا۔ روئے زمین پر پہلا غم ہابیل کا تھا۔ کہ قابیل کے سبب سے حضرت آدم کے دل پر طاری ہوا اُسے نتیجہ جوشِ غم کا سمجھنا چاہئے۔ کہ باوجودیکہ اُس وقت تک شعر و شاعری کا نام نہ تھا۔ مگر جوشِ طبیعت سے جو کچھ کلام اُس وقت اُن کی زبان سے نکلا موزوں تھا۔ چنانچہ وہ سریانی میں اب تک موجود ہے۔ جبکہ اصل کلام موزوں کی حضرت آدم سے ہوئی۔ تو فرزندِ رشید وہی موزوں طبع ہے۔ کہ جواب کی

میراث سے بہرہ ور ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ آدمی اور حیوان میں فرق گویا
 کا ہے۔ پس قوت انسانی بھی اُسی میں کامل سمجھنی چاہئے جس میں قوت گویائی
 کامل ہو۔ چونکہ نظم بہ نسبت نثر کے زیادہ تر زور طبیعت سے نکلتی ہے یہی سبب
 کہ بہ نسبت نثر کے موثر بھی زیادہ ہوتی ہے۔ کوئی مضمون کوئی مطلب کوئی خیال
 جو انسان کے دل میں آئے یا مخاطب کو سمجھانا چاہے۔ تو تکلم سے نقش مدعا
 کو رنگ تقریر میں لاتا ہے۔ تاکہ ظاہر ہو۔ پس شاعر گویا ایک مصوّر ہے۔ لیکن وہ
 مصوّر کہ خرواشر۔ درخت و پتھر کی تصویر کاغذ پر کھینچے۔ بلکہ وہ ایسا مصوّر ہے
 کہ معنی کی تصویر صفحہ دل پر کھینچتا ہے اور بسا اوقات اپنی رنگینی فصاحت سے
 عکس نقش کو اصل سے بھی زیادہ زیبائش دیتا ہے۔ وہ اشیاء جن کی تصویر
 قلم مصوّر سے نہ کھینچے یہ زبان سے کھینچ دیتا ہے۔ چنانچہ ہزاروں صفحہ کاغذ
 بھیک کر فنا ہو گئے۔ مگر صد ہا سال سے آج تک اُن کی تصویریں ویسی
 کی ویسی ہی ہیں۔ کبھی تصویر غم صفحہ دل پر کھینچتا ہے۔ کبھی مضامین
 فرحت عیش سے طبیعت کو گلزار کرتا ہے۔ اشتہار تہمت کہ چپ ہوتا ہے ہنسا دیتا ہے
 جنگ ہوتا ہے لادیتا ہے اہل عرب معرکہ کا قتل میں رجز خوانی کرتے تھے سلاطین ہند
 کے ہاں صف جنگ میں شور۔ ویر۔ راوت۔ بھاٹ وہ وہ کرط کے کوسٹ
 کتے تھے کہ لوگ اپنی جانیں موت کے منہ میں جھونک دیتے تھے۔ اور اب تک
 یہ عالم ہے۔ کہ جب سُنے جاتے ہیں بدن پر روٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔
 سکندر اعظم کتاب ہومر کو دیکھتا تھا اور سوتے میں بھی جدا نہ کرتا تھا۔ شاعر
 اگر چاہے۔ تو امورات عادیہ کو بھی بالکل نیا کر دکھائے۔ پتھر کو گویا کر دے
 درختان پادر گل کو رواں کر دے۔ ماضی کو حال۔ حال کو استقبال کر دے۔
 دور کو نزدیک کر دے۔ زمین کو آسمان۔ خاک کو طلا۔ اندھیرے کو اجالہ کر دے۔

اگر غور کر کے دیکھو۔ تو اکسیر اور پارس اسی کو کہنا چاہئے۔ کہ جسے چھو جائے سونا ہو جائے۔ زمین اور آسمان اور دونوں جہان شعر کے دو مصرعوں میں ہے ترازو اس کی شاعر کے ہاتھ میں ہے جدھر چاہے جھکا دے +

نظم در حقیقت ایک شاخ گلرِیز فصاحت کی ہے جس طرح پھولوں کے رنگ و بو سے وماغِ جسمانی تروتازہ ہوتا ہے۔ شعر سے روح تروتازہ ہوتی ہے۔ پھولوں کی بو سے مختلف خوشبوئیاں محسوسِ دماغ ہوتی ہیں۔ کسی کی بوتیر ہے۔ کسی کی بوست ہے۔ کسی بو میں نفاست و لطافت ہے۔ کسی میں سہانا پن۔ اسی طرح مضامین اشعار کا بھی حال ہے جس طرح پھول کہ کبھی چین میں۔ کبھی ہار میں۔ کبھی عطر کھچ کر۔ کبھی عرق میں جا کر۔ کبھی دھڑکے کبھی پارس مختلف کیفیتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اسی طرح مضامین شعری مختلف طائفوں اور مختلف عبارتوں میں رنگارنگ کی کیفیتیں عیاں کرتے ہیں +

عالمِ جہانی میں انسان کے لئے غذا مادہٴ حیات ہے۔ اسی طرح عالمِ معنی میں روح کے لئے غذا درکار ہے۔ چونکہ اشعار و مضامین لطیف سے روح قوتِ کمال اور طاقتِ بلند پر وازی پاتی ہے۔ یہی اُس کی غذا ہے۔ روح کی لطافت و نفاست تو خود ظاہر ہے۔ کہ وہ خاص روح القدس کے آفتابِ قدس کا پرتو ہے۔ اسی سے شعر کے جوہرِ لطافت کو خیال کرنا چاہئے۔ کہ نفاست میں کس مرتبہ عالی پر ہوگا۔ شاعر کو ایک نسبتِ خاص عالمِ بالا سے ہے۔ کہ بے وساطت اور بے اسباب ظاہری کے ادھر سے اپنا سلسلہ جاری کرتا ہے۔ فی الحقیقت شعر ایک پرتوہ روح القدس کا اور فیضانِ رحمتِ الہی کا ہے۔ کہ اہل دل کی طبیعت پر نزول کرتا ہے۔ یہی سبب ہے۔ کہ ظاہر اپنے کلبۂ اخراں میں پڑا رہتا ہے۔ مگر تمام عالم میں اس طرح پر حکومت کرتا ہے۔ جیسے

کوئی صاحبِ خانہ اپنے گھر میں پھرتا ہے۔ پانی میں مچھلی اور آگ میں سمند ہو جاتا ہے۔ ہوا میں طائر بلکہ آسمان پر فرشتہ کی طرح نکل جاتا ہے۔ جہاں کے مضامین چاہتا ہے بے تکلف لیتا ہے۔ اور بے تصرف مالکانہ اپنے کام میں لاتا ہے نہ بے سعادت اُس کی جسے ایسے ملک معنی کی سلطنت نصیب ہو۔ شعر گلزار فصاحت کا پھول ہے۔ گلمائے الفاظ کی خوشبو ہے۔ روشنی عبارت کا پرتو ہے۔ علم کا عطر ہے۔ قوائے روحانی کا جوہر۔ تاثیر معنوی کا سنت ہے۔ روح کے لئے آبِ حیات ہے۔ گردِ غم کو دل سے دھو تا ہے۔ طبیعت کو پھیلاتا ہے خیال کو عروج دیتا ہے۔ دل کو استغنا اور بے نیازی۔ ذہن کو قوت پرواز دیتا ہے۔ گردِ افکار سے دامنِ دل کو بند رکھتا ہے۔ تنہائی میں دل لگی پیدا کرتا ہے۔ وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت۔ سفرِ دروِطن نما اور سیرِ درِ چمن کے یہی معنی ہیں۔ اگرچہ شاعر ہمیشہ فکر و تروید میں غرق رہتا ہے۔ لیکن ایک شعر کہ کر جیسی اُس کے دل کو فرحت حاصل ہوتی ہے۔ بادشاہ کو تسخیر ہفت کشور سے نہیں ہوتی۔ دل میں سوز و گداز اور طبیعت میں ایسی قبولیت اثر کی پیدا کرتا ہے۔ کہ بات بات میں ایک لطف اور کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اور وہ لطف طاقتِ تحریر و تقریر دو نو سے باہر ہے۔ اس کے اثر سے جو بیج دل پر طاری ہوتا ہے۔ صاحبِ درد ہی اُسے خوب جانتا ہے۔ کہ ہزار خوشیوں سے زیادہ لطف حاصل ہوتا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہ فضیلت اختیاری نہیں۔ یعنی موزونی طبع جو ہر خدا داد ہے اور اس نعمت کو خدانے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ رباعی

سر مدغم عشق بواہوس راند ہند	سوزِ دل پر واز نگس راند ہند
عمر سے باید کہ یار آید بہ کنار	ایں دولت سر مدغم کہیں راند ہند

جنون بھی ایک طرح سے لازماً شاعری ہے۔ بعض محققوں کا قول ہے کہ دیوانہ اور عاشق اور شاعر کے خیالات بعض بعض مقامات پر متحد ہو جاتے ہیں۔ شاعر کو لازم ہے کہ سب طرف سے مطمئن اور سب خیالات سے منقطع ہو کر اسی کام میں متوجہ اور غرق ہو جائے اور یہ بات سوائے مجنون کے یا عاشق کے کہ وہ برادر مجازی اُس کا ہے۔ ہر ایک شخص سے نہیں ہو سکتی۔ مجنون کو اپنے جنون اور عاشق کو معشوق کے سوا دوسرے سے کچھ غرض نہیں۔ خدایہ نعمت سب کو نصیب کرے۔

اکثر لوگ ایسے ہیں کہ جہانی محنت سے مر کھپ کر انہوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا ہے۔ مگر لطف شعر سے بہرہ نہیں۔ اگر تمام عمر ضائع کر دیں ایک مصرع پُروردان کی زبان سے نہ نکلے اُن کا ذکر بھی انشاء اللہ اس سلسلے میں آئیگا۔

بعض ایسے ہیں کہ اُن سے کلام موزوں پڑھا بھی نہیں جاتا۔ بلکہ انہیں موزوں و ناموزوں میں فرق بھی نہیں معلوم ہوتا۔ یہ غضب الہی ہے خدا اس سے محفوظ رکھے۔ بعض شاعر مضمون خوب نکالتے ہیں۔ مگر زبان صاف نہیں کہ بیان بہ فصاحت کر سکیں۔ بعض ایسے ہیں کہ زبان اُن کی صاف ہے۔ مگر مضامین عالی نہیں۔ چنانچہ ہر ایک کی جگہ پر بجائے خود اشارہ کیا جائیگا۔ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جوش مضامین اور شگفتگی طبع کے لئے بعض بعض موسم خاص ہیں۔ چنانچہ فصل بہار اور موسم برسات میں طبائع موزوں زیادہ تر شگفتہ ہوتے ہیں۔ بلکہ ناموزوں اور مردہ دلوں کی طبیعت میں بھی ایک حرکت ندبوحی پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاعری کے لئے اوقات اور مقامات خاص ہیں۔ اول خلوت کہ جہاں ذہن اور طبیعت نہ بے طے خواہ

گھر میں گوشہ عافیت ہو۔ خواہ باغ خواہ صحرا خواہ کنار دریا۔ اور دل ہمہ تن اُسی میں مصروف ہو۔ *

اکثر وقت شب کہ جب خلق خدا اپنے اپنے کاموں سے تھک کر سو جاتی ہے۔ تب شاعر اپنے کام میں مصروف ہوتا ہے۔ جب تمام عالم سن سان ہو جاتا ہے۔ تب اس کی طبیعت میں شور پیدا ہوتا ہے۔ جوں جوں رات ڈھلکتی جاتی ہے خیال زیادہ تر بلند ہوتا ہے اور مضمون پیرتا جاتا ہے۔ خصوصاً بچلی رات اور قریب صبح کہ عالم چپ چاپ اور خاطر مطمئن۔ طبیعت صاف۔ ہوا لطیف ہوتی ہے۔ دل شگفتہ ہوتا ہے۔ مضمون کی کاوش سے دل کو ایک لذت حاصل ہوتی ہے۔ مضامین عالی طبیعت سے اور الفاظ پر معانی زبان سے مترادف ہوتے ہیں۔ *

شاعر کو چاہئے کہ طبیعت اس کی زیادہ تر قابل اور متاثر ہو شل آب رواں کہ جو رنگ اُس میں پڑ جاتا ہے وہی اس کا رنگ ہو جاتا ہے اور جس چیز پر پڑے ویسا ہی رنگ دیتا ہے۔ مائل کی رباعی اس مقام پر مجھے یاد آئی۔

کعبہ میں بھی ہم نے اُسے جاتے دیکھا
اور ویر میر، ناقوس بجاتے دیکھا
شال ہے بہ ہفتاد و دو ملت مائل
ہر رنگ میں پانی سا سماتے دیکھا

اُس کی اپنی ہی طبیعت کا اثر ہوتا ہے کہ جو مضمون فرحت۔ یا غم۔ رزم یا بزم کا باندھتا ہے جتنی اس کی طبیعت اس سے متاثر ہوتی ہے اتنا ہی اثر سننے والے کے دل پر ہوتا ہے۔ دنیا میں لوگ ایسے ہیں۔ کہ جب وہ شعر سنتے ہیں تو دل

بے قرار اور طبیعت بے اختیار ہو جاتی ہے۔ سبب اس کا یہ ہے کہ ان کا دل مثل آئینہ صاف
 اور طبیعت اثر پذیر ہے۔ اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے سامنے اگر طلسمات معنی کے دریا
 کو شیشہ میں بند کر کے رکھ دو تو بھی انہیں خبر نہ ہو۔ سبب اس کا کہ ورتِ دل ہے کہ نور
 معنی اس میں اثر نہیں کر سکتا۔ روشندانِ اہل درد کے نزدیک طلوع و غروبِ آفتاب
 اور انقلابِ صبح و شام ہزاروں باغِ نو بہار قدرتِ الہی کے شگفتہ کرتا ہے اور تیرہ دلا
 بے خبر کے نزدیک گراہِ عالم ایک خراسِ یادِ دلاب ہے کہ دن رات چکر میں چلا جاتا ہے۔
 علمِ موسیقی کا لطف اور گلزارِ بوقلموں کی کیفیت ظاہر ہے کہ بیان سے باہر ہے
 لیکن جو لوگ بینائی سے محروم یا کانوں سے معذور ہیں وہ بیچارے ان کے لطفوں
 سے بہرہ یاب نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جو لوگ لطفِ طبیعت اور صفائیِ دل سے محروم
 ہیں وہ کیفیتِ شعر و فصاحتِ کلام سے محروم ہیں۔ اس بڑھ کر یہ ہے کہ بعض طبائع
 شعر سے متنفر پائی جاتی ہیں اور دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ اس سے کچھ حاصل
 نہیں۔ اگر فائدہ سے یہی مراد ہے کہ جس کے عمل سے چار پیسے ہاتھ میں آجائیں تو
 بیشک شعر بالکل کارِ بیفائدہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ ابنائے زمانہ نے آج کل
 شعر کو ایک ایسی ہی حالت میں ڈال دیا ہے لیکن باوجود اس کے بھی جو لوگ
 طبعِ موروں رکھتے ہیں اگر زورِ طبیعت کو علوم اور توارِ سخن و قصص میں صرف کریں
 تو فائدہ و کسبِ دنیاوی بھی خاطر خواہ دیوے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اکثر شخصائے
 علیٰ العموم فنِ شعر کو گمراہی خیال کرتے ہیں اور نے الحقیقت حال ایسا ہی ہے۔
 لیکن جو لوگ سیرِ معنی اور اصلِ سخن کو پہنچے ہوئے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر صنائعِ خبث
 طبیعت سے صنعت کو بُری طرح کام میں لائے تو اصلِ صنعت پر الزام نہیں آسکتا۔
 شیطان نے معلمِ المذکوت ہو کر گمراہی اختیار کی پس اس کے لئے ہرگز علم کو ضلالت
 نہیں کہ سکتے۔ مسائلِ فلسفہ و حکمت جن سے اہلِ ہدایت ثبوتِ ذاتِ باری

اور تصدیق وحدت الہی کرتے ہیں اسی سے اہل ضلالت دہر والحد پر استدلال کرتے ہیں پس جس طرح سے ان کی ضلالت سے فلسفہ و حکمت پر الزام نہیں آسکتا۔ اسی طرح شاعروں کی بدزبانی و بدخیالی سے شعر بھی تہمت کفر سے بدنام نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام کو شعر کہنا ہی نہیں چاہئے۔ کیونکہ شعر سے وہ کلام مراد ہے جو جوش خروش خیالات بنجیدہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی قوت قدسیہ الہی سے ایک سلسلہ خاص ہے خیالات پاک جوں جوں بلند ہوتے جاتے ہیں مرتبہ شاعری کو پہنچتے جاتے ہیں + ابتدا میں شعر گوئی حکما اور علمائے متبحر کے کمالات میں شمار ہوتی تھی اور ان تصانیف میں اور حال کی تصانیف میں فرق بھی زمین و آسمان کا ہے البتہ فصاحت اور بلاغت اب زیادہ ہے مگر خیالات خراب ہو گئے۔ سبب اس کا سلاطین و حکام عصر کی قباحت ہے انہوں نے جن جن چیزوں کی قدردانی کی لوگ اس میں ترقی کرتے گئے ورنہ اسی نظم شعر میں شعراے اہل کمال نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ جن کی بنا فقط پند و اندرز پر ہے اور ان سے ہڈا ظاہر و باطن کی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض کلام سعدی و مولوی روم و حکیم شنائی و ناصر خسرو اسی قبیل سے ہیں۔ امید ہے کہ جہاں اور محاسن قبائح کی ترویج و اصلاح پر نظر ہوگی۔ فن شعر کی اس قباحت پر بھی نظر رہے گو آج نہیں مگر امید قوی ہے۔ کہ انشاء اللہ کبھی نہ کبھی اس کا ثمرہ نیک حاصل ہو۔ آزاد

تمہاری سینہ فکری کوئی تو دیکھیگا نہ دیکھے اب تو نہ دیکھے۔ کبھی تو دیکھیگا

بندہ آزاد محمد حسین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مضمون لکچر

اے حاضرین باتمکین! آج میں ایک ایسے امر پر گفتگو کرنے کو حاضر ہوا ہوں جس میں دخل دنیا میری حد سے باہر ہے۔ کیونکہ وہ حقیقت میں اُس ملک وسیع کی زبان سے متعلق ہے۔ جسے اہل عالم مملکت ہندوستان کہتے ہیں۔ اُس کا حال ایسا ہو رہا ہے کہ حب الوطنی کسی طرح خاموش نہیں رہنے دیتی۔ امر مذکور کیا ہے؟ نظم اور انشا پر دازی اُردو زبان کی ہے۔ جو کہ ہمارے ہر قسم کے ادائے مطلب اور عام تصنیفات اور تفریح طبع کا ذریعہ ہے۔ اس وقت یہ موقع نہیں کہ زبان ہند کی تحقیق میں کاوش کر کے پُرانی بنیادیں نکالی جائیں۔ اس لئے یہی کہنا کافی ہے کہ زبان موجودہ ہماری یعنی اُردو زبان حقیقت میں ہندوستان کی برج بھاشا ہے جس میں فارس کے مسافر نے آکر عمل دخل کیا۔ اور صاحب خانہ نے اِس پن بِلائے مہمان کو اپنے وسعت اخلاق سے اُس کے خاطر خواہ جگہ دے دی۔

سب جانتے ہیں کہ خود برج بھاشا اپنے عہد میں عام زبان تھی مگر دیاروں اور علموں پر ماں کا قبضہ تھا یعنی سنسکرت کہ جس کی گو دیں فصاحت و بلاغت کے دریا لوٹتے تھے۔ اور برج بھاشا وہ زبان تھی جو کہ گھروں میں کام کاج کی باتوں اور بازاروں میں سودے سلف کے لین دین سے خاص عام کی ضرورتیں

پوری کرتی تھی۔ چونکہ بھاشا علی اور تصنیفی زبان نہ تھی۔ اس واسطے اس میں استعارہ اور تشبیہ سے انشا پردازی کی باریکیاں اس اعلیٰ درجہ پر نہ پہنچیں جو سنسکرت میں ہیں۔ پھر بھی وہ ہر ایک موقع پر اس نجوی اور خوش اسلوبی سے اپنا مطلب پورا پورا ادا کرتی تھی۔ جس کی کیفیت کو جاننے والے ہی جانتے ہیں +

جب بھاشا سے اردو پیدا ہوئی۔ تو کئی سو برس تک اُس میں باتیں ہی باتیں رہیں۔ یعنی تحریر اور تصنیف تک نوبت نہ پہنچی۔ لیکن جس طرح کوئی زمین بے روئیدگی کے نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح کوئی زبان بے نظم کے نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پریشاں شعر تو کئی سو برس سے اردو میں چلے آتے تھے۔ جب شاہجہاں کے بعد زبان موجودہ کی عمر سو برس کی ہوئی۔ تو ولی شاعر پیدا ہوئے اور ساتھ ہی جابجا دیوان ترتیب ہونے لگے +

اردو کے مالک اُن لوگوں کی اولاد تھے۔ جو اصل میں فارسی زبان رکھتے تھے۔ اسی واسطے اُنہوں نے تمام فارسی بحریں اور فارسی کے دلچسپ اور رنگین خیالات اور اقسام انشا پردازی کا فوٹو گراف فارسی سے اردو میں اتار لیا۔ تعجب یہ ہے کہ اس نے اس قدر خوش ادائی اور خوشنمائی پیدا کی کہ ہندی بھاشا کے خیالات جو خاص اس ملک کے حالات کے بموجب تھے۔ اُنہیں بھی مٹا دیا۔ چنانچہ خاص و عام پیپے اور کوئل کی آواز اور چنبا۔ چنبیلی کی خوشبو کو بھول گئے۔ ہزار و ببل اور نسرین و سنبل جو کبھی دیکھی بھی نہ تھیں اُن کی تعریفیں کرنے لگے۔ رستم اور اسفندیار کی بہادری۔ کوہ الوند اور بے ستون کی بلندی۔ جیحوں۔ سیحوں کی روانی نے یہ طوفان اٹھایا۔ کہ ارجن کی بہادری ہمالہ کی ہری ہری پہاڑیاں برف سے بھری چوٹیاں اور گنگا۔ جمنا کی روانی

کو بالکل روک دیا۔

اس میں شک نہیں کہ ایک اعتبار سے ہمیں فارسی زبان کا ممنون حسان ہونا چاہئے۔ کہ اُس کی بدولت ہمارے کلام میں بلند پروازی اور جوش و خروش کا زور پیدا ہو گیا۔ اس کے استعارے اور تشبیہوں سے بہت سے نازک اور لطیف خیالات کے ظاہر کرنے کی قوت ہو گئی۔ لیکن چونکہ یہ خیالات فارسی کی نظم و نثر سے آئے ہیں۔ جہاں کے چمن میں باریک باریک استعاروں کی نسیم خوشبو پھیلاتی ہے۔ اور لطیف لطیف تشبیہوں کی شبنم شاداب کرتی ہے۔ اس لئے انہیں پھولوں کا عطر اس زبان میں آیا۔ بے شک اُن کی بلند پروازی اور نازک خیالی جس درجے پر ہے۔ اس کی حد نہیں۔ لیکن اصل مطلب کو ڈھونڈو۔ تو باریکی اور تازا کیئے الفاظ اور استعاروں کے اندھیرے میں ایک جگنو ہے۔ کہ کبھی چمکا اور کبھی غائب۔

اے گلشن فصاحت کے باغبانو! فصاحت اسے نہیں کہتے۔ کہ مبالغے اور بلند پروازیوں کے بازوؤں سے اُڑے۔ قافیوں کے پروں سے فر فر کرتے گئے۔ لفاظی اور شوکت الفاظ کے زور سے آسمان پر چڑھتے گئے اور استعاروں کی تہ میں ڈوب کر غائب ہو گئے۔ فصاحت کے معنی یہ ہیں کہ خوشی یا غم کسی شے پر رغبت یا اُس سے نفرت۔ کسی شے سے خوف یا خطر یا کسی پر قہر یا غضب۔ غرض جو خیال ہمارے دل میں ہو۔ اُس کے بیان سے وہی اثر۔ وہی جذبہ۔ وہی جوش سُننے والوں کے دلوں پر چھا جائے۔ جو اصل کے مشاہدہ سے ہوتا۔ بیشک مبالغے کا زور تشبیہ اور استعارے کا نمک۔ زبان میں لطف اور ایک طرح کی تاثیر زیادہ کرتا ہے۔ لیکن نمک اتنا ہی چاہئے کہ جتنا نمک۔ نہ کہ تمام کھانا نمک۔ تشبیہ اور استعارے ہمارے مطلب میں ایسے ہونے چاہئیں۔ جیسے کسی معرکہ

یاد رہا یا باغ کی تصویر پر آئینہ۔ کہ اُس کی کیفیت کو زیادہ روشن کرے۔ نہ اتنے آئینے کہ تصویر کا اصلی حال ہی نہ دکھائی دے۔ تب اس موقع پر ہمیں کیا کرنا چاہئے ؟ ہمیں چاہئے کہ اپنی ضرورت کے بموجب استعارہ اور تشبیہ اور اضافوں کے قصاً فارسی سے لیں۔ سادگی اور اظہارِ اصلیت کو بھاشا سے سیکھیں۔ لیکن پھر بھی قناعت جائز نہیں۔ کیونکہ اب رنگِ زمانہ کا کچھ اور ہے۔ ذرا آنکھیں کھولینگے تو دیکھینگے۔ کہ فصاحت و بلاغت کا عجائب خانہ کھلا ہے۔ جس میں یورپ کی زبانیں اپنی اپنی تصانیف کے گلدستے۔ ہار۔ طرے ہاتھوں میں لئے حاضر ہیں۔ اور ہماری نظمِ خالی ہاتھ الگ کھڑی منہ دیکھ رہی ہے۔ لیکن اب وہ بھی منتظر ہے کہ کوئی صاحبِ ہمت ہو۔ جو میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھائے ۔

اے میرے اہل وطن ! اس سے یہ نہ سمجھنا کہ میں تمہاری نظم کو سامانِ آرائش سے مفلس کہتا ہوں۔ نہیں۔ اُس نے اپنے بزرگوں سے لمبے لمبے خلعت اور بھاری بھاری زیور میراث پائے۔ مگر کیا کرے کہ خلعت پُر لانے ہو گئے۔ اور زیوروں کو وقت نے بے رواج کر دیا۔ تمہارے بزرگ اور تم ہمیشہ سے نئے مضامین اور نئے انداز کے موجد رہے مگر نئے انداز کے خلعت و زیور جو آج کے مناسب حال ہیں۔ وہ انگریزی صندوقوں میں بند ہیں کہ ہمارے پہلو میں دھرے ہیں اور ہمیں خبر نہیں۔ ہاں صندوقوں کی کنجی ہمارے ہموطن انگریزی دانوں کے پاس ہے۔ اب مجھے دوسری طرف متوجہ ہونا واجب ہے۔ یعنی اے انگریزی کے سرمایہ دارو ! تم اپنے ملک کی نظم کو ایسی حالت میں دیکھتے ہو۔ اور تمہیں افسوس نہیں آتا۔ تمہارے بزرگوں کی یادگارِ عشقِ ریب مٹا چاہتی ہے۔ اور تمہیں اس کا درد نہیں آتا۔ اپنے خزانہ اور نئے توشہ خانہ سے ایسا بندوبست نہیں کرتے۔ کہ جس سے وہ اپنی حیثیت درست کر کے کسی دربار میں جانے کے قابل ہو۔ یہ وطن کا فرض ہے کہ

قرض سے زیادہ اُس کا ادا کرنا واجب ہے ۛ

بھاشا پر جو فارسی نے اثر کیا۔ اور اُس سے نظم اور انشائے اردو نے ایک خاص لطافت حاصل کی۔ وہ اُن لوگوں کی بدولت ہوئی۔ کہ بھاشا اور فارسی دونوں سے واقف تھے۔ تم خیال کرو کہ جو اُس وقت بھاشا اور فارسی کا حال تھا۔ آج بعینہ اُردو و انگریزی کا حال ہے۔ پس اس کی نظم میں اگر انگریزی کے خیالات کا پرتوہ حاصل ہوگا۔ تو انہی لوگوں کی بدولت ہوگا۔ جو دونوں زبانوں سے واقف ہونگے اور سمجھیں گے۔ کہ انگریزی کے کون سے لطائف اور خیالات ایسے ہیں۔ جو اردو کے لئے زیور زیبائش ہو سکتے ہیں ۛ

اے میرے اہل وطن! مجھے بڑا افسوس اس بات کا ہے کہ عبارت کا زور مضمون کا جوش و خروش۔ اور لطائف و صنائع کے سامان۔ تمہارے بزرگ اس قدر دے گئے ہیں۔ کہ تمہاری زبان کسی سے کم نہیں۔ کمی فقط اتنی ہے۔ کہ وہ چند بے موقع احاطوں میں گھر کر محبوس ہو گئے ہیں۔ وہ کیا؟ مضامین شفقانہ ہیں۔ جس میں کچھ وصل کا لطف۔ بہت سے حسرت و ارمان۔ اُس سے زیادہ ہجر کا رونا۔ شراب۔ ساقی۔ بہار۔ خزاں۔ فلک کی شکایت اور اقبال مندوں کی خوشامد ہے۔ یہ مطالب بھی بالکل خیالی ہوتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ایسے پیچیدہ اور دُور دُور کے استعاروں میں ہوتے ہیں کہ عقل کام نہیں کرتی۔ نہ اسے خیال بندی اور نازک خیالی کہتے ہیں۔ اور فخر کی مچھلوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان محدود دائروں سے ذرا بھی نکلتا چاہیں تو قدم نہیں ٹھا سکتے۔ یعنی اگر کوئی واقعی سرگزشت یا علمی مطلب یا اخلاقی مضمون نظم کرنا چاہیں تو اس کے بیان میں بد مزہ ہو جاتے ہیں ۛ

پس ہمیں اس سے زیادہ کیا افسوس ہوگا۔ کہ ہم اپنے زوروں کو بے اصل

اور محدود باتوں میں ضائع کرتے ہیں۔ اور جواہر کے خزانے کام کی جگہ نہیں لگا سکتے۔ بے جگہ ٹٹاتے ہیں۔ کیسی حسرت آتی ہے۔ جب میں زبان انگریزی میں دیکھتا ہوں۔ کہ ہر قسم کے مطالب و مضامین کو نشر سے زیادہ خوبصورتی کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ کلام میں جان ڈالتے ہیں۔ اور مضمون کی جان پر احسان کرتے ہیں۔ لیکن ہمیں کیا؟ سن کر ترسیں۔ اپنے تئیں دیکھ کر شرمائیں۔ کاش ہم جو ٹوٹی پھوٹی نشر لکھتے ہیں۔ اتنی ہی قدرت نظم پر بھی ہو جاوے۔ جس کے اعلیٰ درجے کے نمونے انگریزی میں موجود ہیں۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ ہمارے بزرگ ردیف و قافیہ کے ساتھ ایسی دل پسند بحر میں اور نازک خیالیوں کے سامان ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ کہ اگر ہمت کریں تو کسی سے پیچھے نہ رہیں۔

اے میرے اہل وطن! ہمدردی کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔ جب مجھے نظر آتا ہے کہ چند روز میں اس رائج الوقت نظم کا کہنے والا بھی کوئی نہ رہیگا۔ جو اس کی یہ ہے کہ لب لبب بے قدری کے اور کہنے والے پیدا نہ ہونگے۔ کئی پُرانی موتیں باقی ہیں۔ وہ چسراغ سحری ہیں۔ انجام یہ کہ زبان ہماری ایک دن نظم سے بالکل محروم ہوگی۔ اور اردو میں نظم کا چراغ گل ہوگا۔

میرے اہل وطن! آؤ۔ برائے خدا اپنے ملک کی زبان پر رحم کرو۔ اٹھو۔ وطن اور اہل وطن کی قدیمی ناموری کو بربادی سے بچاؤ۔ تمہاری شاعری جو چند محدود احاطوں میں بلکہ چند زنجیروں میں مقید ہو رہی ہے۔ اس کے آزاد کرنے میں کوشش کرو۔ نہیں تو ایک زمانہ تمہاری اولاد ایسا پائیگی کہ اُن کی زبان شاعری کے نام سے بے نشان ہوگی۔ اور اس فخر آبائی اور بزرگوں کی کمائی سے محروم ہونا بڑے افسوس کا مقام ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ سردست یہ کام کچھ مشکل ہے۔ کیونکہ ان محدود احاطوں میں جو کچھ موجود ہے۔ وہ ڈیڑھ سو برس سے آج تک بڑے بڑے سحرالبیان فصیحوں نے شام کو صبح اور صبح کو شام کر کے پیدا کیا ہے۔ دلوں کے خون اور دماغوں کے روغن پسینے کر کے بہائے ہیں۔ جب یہ دلپسند خیالات۔ شستہ الفاظ۔ پاکیزہ ترکیبیں۔ خوشنما تراشیں۔ مضمون کی گرمیاں۔ انداز کی شوخیاں پیدا ہوئی ہیں کہ سُننے والوں کے کانوں میں رس ڈالتی ہیں۔ اگر کوئی موزوں طبع چاہے کہ عام چیزیں جو آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اُن میں سے جس کو چاہے لے لے۔ اور اُن پر شاعری خرچ کر کے وہی لطف کلام میں پیدا کر لے۔ تو آج نہایت مشکل بات ہے۔ تمام عالم کی تعریفیں اور ہمارے شکرِ یے ان مزاروں پر پھول برساتے ہیں۔ جن کے سونے والوں نے اُنہی چھوٹے چھوٹے احاطوں میں وہ کچھ کیا کہ سالہا سال چاہئیں۔ جو ویسے لوگ پیدا ہوں۔ ویسی کوششیں کریں۔ اور ویسے ہی لطیف اور خوش آئندہ انداز عموماً زبان میں پیدا ہوں ❁

تو بھی ہمیں مایوس ہونا نہ چاہئے۔ اگر کوشش کریں گے تو ہم بھی کچھ نہ کچھ کر رکھیں گے۔ کیونکہ دلی دن بھر میں گلزار نہیں ہو گئی تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ وہ مضامین جو اب تک اُن احاطوں کو آباد کر رہے ہیں۔ وہ خود اس قیامت کے مضمون ہیں۔ جن میں شیطان ملعون نے اپنے سارے مزے کوٹے کوٹ کر بھر دیے ہیں۔ اگر کسی شاعر کی زبان میں قدرتی لذت کم ہو تو بھی مضامین مذکورہ اپنی گرمی سے رنجاک کی طرح شعر کو لے اُڑتے ہیں۔ البتہ عام مضامین میں ایسی چمک دمک پیدا کرنے کے لئے ایک قدرتی قوت زبان و بیان اور اصلی فصاحت اعلیٰ درجہ کی چاہئے۔ تب ہر ایک مضمون کو ویسا

ہی گماتے۔ جس سے سننے والوں کا دل پھٹک کر لوٹ جائے۔ اگرچہ مدت سے مجھے اور اکثر اہل وطن کو اس کا خیال ہے مگر اب تقریریں آنے کا باعث یہ ہے کہ دیکھنا ہوں۔ آج کل ہماری گورنمنٹ اور اُن اراکین کو اس طرف توجہ ہوئی ہے۔ جن کے دل ہماری تعلیم کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہیں۔ حق پوچھو۔ تو ہماری انشا کے ستارہ اقبال کی مبارک ساعت ہے۔ اس موقع پر ہماری تھوڑی کوشش بھی بہت سا اثر کرے گی ۛ

میرے اہل وطن! تمہاری جماعت دو فرقوں سے مرکب ہے۔ ایک ہندو۔ ایک مسلمان۔ تم جانتے ہو کہ ہندو کون ہیں؟ ہندو وہ ہیں۔ کہ آج ہم جس بات کی آرزو کرتے ہیں۔ وہ اُن کی زبان کا اصلی جوہر ہے۔ اگر بھاشا ہے تو وہ اصلی حالتوں کے ادا کرنے میں سب پر فائق ہے۔ سنسکرت کی قوت نظم خود حد بیان سے باہر ہے۔ کیونکہ مضامین شاعرانہ درکنار۔ اُس نے تاریخ سے لے کر جغرافیہ۔ طب۔ منطق۔ فقہ تک جس علم کو لیا۔ نظم کی جنتری میں کھینچ لیا۔ دوسرا جزو مسلمان۔ جن کی اصل عرب۔ عربی وہ زبان ہے۔ کہ جس میں مرد تو بالائے طاق۔ گھروں کی عورتیں بلکہ لونڈیاں جب اپنی جوش تقریر پر آتی تھیں تو اُن کا کلام ایک پُر زور نظم ہو جاتا تھا۔ کیا یہ افسوس کی بات نہیں۔ کہ ایسے بزرگوں کی اولاد اپنے بزرگوں کی میراثوں سے محروم ہو۔ کیا یہ حیف کی جگہ نہیں کہ آج ہماری زبان حرف تاثیر سے خالی ہو۔ کیا یہ رنج کی جگہ نہیں۔ کہ آوروں کے سامنے ہماری زبان ضُعت بیانی کے ساتھ ہزار نقصوں سے مطعون ہو۔ اے خاک ہندوستان اگر تجھ میں امر القیس اور لبید نہیں۔ تو کوئی کالیداس ہی نکال۔ اے ہندوستان کے صحرا و دشت! فردوسی اور سعدی نہیں تو کوئی وامبیک ہی پیدا کر دو جاننے والے

جانتے ہیں۔ کہ شاعری کے لئے اول قدرتی جوہر بعد اُس کے چند تحصیل اور علمی
 لیاقتیں چاہئیں۔ بعد اس کے شوق کامل اور مشق دوامی۔ میں نشر کے
 میدان میں بھی سوار نہیں۔ پیادہ ہوں۔ اور نظم میں خاک افتادہ۔ مگر سادہ لوحی
 دیکھو کہ ہر میدان میں دوڑنے کو آمادہ ہوں۔ یہ فقط اس خیال سے ہے کہ میرے
 وطن کے لئے شاید کوئی کام کی بات نکل آئے۔ میں نے آج کل چند نظمیں
 مثنوی کے طور پر مختلف مضامین میں لکھی ہیں جنہیں نظم کہتے ہوئے شرمندہ
 ہوتا ہوں۔ اور ایک مثنوی جو رات کی حالت پر لکھی ہے۔ اس وقت گذارش
 کرتا ہوں *

شام کی آمد اور رات کی کیفیت

۲۵

اے آفتاب صبح سے نکلا ہوا ہے تو ہیں روز و شب زمانے کے سپہیم قدم ترے کلفِ دن کی ہو گیا منہ تیرا زرد ہے ہوتا زمانہ بسکہ ہے وابستہ شام سے	عالم کے کاروبار میں دن بھر پھرا ہے تو پیہانے محنتوں کے یہ ہیں بیش و کم ترے اور ڈالی اُس پہ شام نے غربت کی گرد ہے اور تو بھی ہے تھکا ہوا دنیا کے کام سے
--	---

دامان کو ہمارے اب جا کے سو رہو ۲

دن بھر کا کام شام کو سمجھا کے سو رہو

اے دوست تیرا علم تھا جاری جہاں میں جو کچھ کہتے سفید وسیہ آشکار تھے دولاپ چرخ پر نگر اپنا مدار ہے دن ہے خدا نے ہم کو دیا کام کے لئے	اور روشنی تھی عام زمیں آسمان میں جاری سب اپنی اپنی جگہ کاروبار تھے چلتا اسی یہ دور خ...
---	---

اور

رخصت ہو تو کہ آتی شب مشک ریز ہے
پھر صبح اٹھ کے چلنا گریزا گریز ہے

آے شبِ سیاہ کہ یلائے شب ہے تو
آمد کی تیری شان تو زیبِ رقم کروں
ہونا وہ بعد شام شفق میں عیاں ترا
تھا دن مگر رہا وہی عالم نگاہ میں
چمکیگا لشکر اب جو ترا آسمان پر
عالم میں شاہزادے مشکیں لب ہے تو
پراتنی روشنائی کہاں سے ہم کروں
اُٹنا وہ آہنوس کا تختِ رواں ترا
لہرانا پر نیان و حریرِ سیاہ میں
فرماں نشان میں یہ اُڑیگا جہاں پر

تا صبح ہووے کارگر روزگار بند
آرام حکم عام ہو اور کاروبار بند

اے رات سنتا ہوں کہ ترے سر پہ تاج ہے
لکھتا ہوں حساب پڑھا جاتا کچھ نہیں
ہر گم ہر اُس میں ملکِ جیش کا خراج ہے
ایسا سیاہ ہے کہ نظر آنا کچھ نہیں

اس رنگ پر دکھا رہی کیا آب و تاب ہے
تیرا چمکتا چہرہ سیاہ آفتاب ہے

عالم پہ تو جو آتی ہے رنگ اپنا پھیرتی
دنیا پہ سلطنت کا تیری دیکھ کر حشم
روئے زمیں پہ چل رہے تیرے چراغ ہیں
بجلی ہنسنے تو رخ تیرا دیتا بہار ہے
ہاتھوں سے مشک اُڑاتی ہے عنبر بھرتی
کھاتا ہے دن بھی تاروں بھری رات کی قسم
اور آسماں پہ کھلتے ستاروں کے باغ ہیں
شبِ نیم کو موتیوں کا دیا تو نے ہار ہے

سب تجھ کو لیتے آنکھوں پہ ہیں بلکہ جان پر
پورا ہے تیرا حکم پر آدھے جہان پر

ات ہے
اس وقت یا تورات ہے یا حق کی ذات ہے
اور رات سائیں ساٹھ ہے کرتی کھڑی ہار ہے

سوتا گدا ہے خاک پہ اور شاہ تخت پر
ہے بیخبر پڑا جو بچھونوں پہ گھر میں ہے
گھوڑے پر اپنے اونگ گیا ہے سوار بھی
القصد ہے امیر کوئی یا فقیہ ہے
بچہ کہ ماں کی گود میں ہے بلکہ پیٹ میں

ماہی بزیر آب ہے طائر دشت پر
دامان دشت پر کوئی سوتا سفر میں ہے
چوکا ہے بلکہ راہزن نابکار بھی
عورت ہے یا کہ مرد خواں ہے کہ پیر ہے
سب آگئے ہیں نیند کی اس دم لیٹ میں

جس کو پکارو وہ سوئے خواب عدم گیا ۴
دریا بھی اب تو چلنے سے شاید ہوتھم گیا

وہ آفتاب تھا جو چمکتا جہان پر
کھولے ہوئے شفق کا نشانِ رق و برق سے
اس کے عمل کو توڑنا تیرا ہی کام ہے

بیٹھا تھا جس کا سکہ زمین آسمان پر
رکھ کر کرن کا تاج نکلتا تھا شرق سے
سکہ ہے اب ستاروں کا اور تیرا نام ہے

محنتِ ثمر تھا اس کا تو راحت ہے پھل ترا
چاندی تھا اُس کا حکم تو سونا عمل ترا

مزدور جا بجا تھے جو دکھ درد پار ہے
بارگراں قریبوں نے سر پر اٹھائے ہیں

اور پاؤں تک سروں کے پسینے بہا رہے
جب چار پیسے شام کو لے گھر میں آئے ہیں

اے شب تمام دن کی مصیبت سے مایکے ۴
تیرے غم میں پاؤں ہیں سوئے پسار کے

دنِ صحر کے ہیں مسافر محنت زدہ بہت
آئے ہیں دن کی دھوپ میں منزل جو مار کر

آوارہ تابشام ہیں شامت زدہ بہت
رستہ میں بوجھ بھی نہیں رکھا اُتار کر

اے رات تو نے ڈالا جو رحمت کا سایہ ہے ۴
اس وقت اُن بچاروں نے آرام پایا ہے

اس دم امیر زادے کئی بے نظیر ہیں

مسند کے آسمان پر بدر منیر ہیں

<p>پردہ میں شے بادۂ گلگوں کا دور ہے اور جام دے رہی تھک نیم باز ہے</p>	<p>دن کا تو رنگ ہو چکا اب رنگ اور ہے اک گلخدار سامنے سرگرم ناز ہے</p>
<p>۴ کھٹکے لگا کے کمرے میں اب بند ہوتے ہیں اور وصل کے بچھونے میں یونہی ہوتے ہیں</p>	
<p>پر دل کو اُن کے دیکھو تو ہے سوز ساز میں جو مانگے زمانہ ہے حاضر لے ہوئے</p>	<p>اکثر امیر بیٹے ہیں نعمت کے ناز میں سامان عیش سب ہیں مہیا کئے ہوئے</p>
<p>۵ محل کا فرش ہے مگر آرام ہی نہیں چھپکے پلک سیوا اس کا کہیں نام ہی نہیں</p>	
<p>آرام نہ دے دئے ہوئے ساماں بہت سے ہیں اور کام ہے تو یہ ہے کہ آرام کچھ نہیں</p>	<p>ان کے سوا بھی خلق میں نساں بہت ہیں دن بھرے یا ہورات انہیں کام کچھ نہیں</p>
<p>وہ بھی پڑے ترستے ہیں لطفِ بے جا میں کانٹوں پر لوٹ لوٹ کے کاٹینگے رشتہ دار</p>	
<p>دن بھر اٹھا ہوا ہے وہ آفت نصیب ہے وہ حق حلال کرنا آئے بے شام کو کھایا ہے اور مست ہے بے تنور</p>	<p>اور اُن کے زیر سایہ پڑا اک غریب ہے کھتا صحرا کا نکلا ہوا گھر سے کام کو اب اپنی نان خشک کو پانی میں چور کر</p>
<p>۶ سر پر قیامت آئے تو اس کو خبر نہیں سونا تو آنکھ میں ہے مگر پاس زرنہیں</p>	
<p>وہ سب دلوں کے اسطے غفلت کا جام ہے دن سے زیادہ رات کو مصروف کار ہیں بیٹھا ہے سچھوکائے بپائے چراغِ دل مضمون جو ہمہ گیر ہیں الجھتے کبھی بھی</p>	<p>یہ بھی نہ کہنا تم کہ جو آرام عام ہے بندے خدا کے ایسے یہاں بے شمار ہیں کیجئے ذرا خیال کہ ملائے محنتِ دہاں کرنا نظر ہے متن پہ بھی حاشیہ پہ بھی</p>

دکھلاتا زور طبع ہے یعنی نئے نئے کرتا ہے آپ و قدح جھوٹ موٹ کے	ہر لفظ کو پنہاتا ہے معنی نئے نئے لیکن کبھی مقاصد صلی سے چھوٹ کے
بیٹھا حرام کر کے ہے آرام و خواب کو ۴	کیرے کی طرح لگ گیا ظالم کتاب کو
کل صبح امتحان ہے سوا کے خیال میں پڑھتے جدا جدا بھی ہیں کچھ فکر و غور سے کل صبح اپنی جان ہے اور امتحان ہے	ہیں مدرسہ کے طالب علم اپنے جال میں ٹل ٹل کے یاد کرتے ہیں آپس میں دور سے کر لیں جو کچھ کہنا ہے شب درمیان ہے
جی چھوڑ بیٹھے مرد۔ یہ بہت سے دور ہے ۲	قسمت تو ہر طرح ہے۔ یہ سخت ضرور ہے
اُدھی بجی ہے پروہ ابھی ہے دوکان میں بیٹھا ہے گو دیں بھی کھاتا لائے ہوئے	اور وہ جو لکھ پتی ہے مہاجن جہان میں گنتی میں دام دام کے ہے دم دئے ہوئے
ہے سارے لین دین کی میزان تمام کی ۴	لیکن غصے سے پردہ نہیں ملتی چھ دام کی
ہے کس نظر سے دیکھ رہا آسمان کو ہے محو اپنے زائچہ میں اک حساب پر پر اب تو فکر ہے یہی دن بھر تمام رات نکلے نئے ستارے سرچرخ پیراہیں	اور دیکھنا بخوئے وانا کی شان کو اک آنکھ دور بین پہ ہے اک کتاب پر کٹتی ہے اس کی تارے ہی گنکر تمام رات پیدا ہوئے نئے نئے روشن ضمیر میں
اک جنتری بناؤں کہ طرز جدید ہو ۴	چمکے جو اُس میں اپنا ستارہ نو عید ہو
تُوڑ دیا ہمارا بھی ہے اپنی چوٹی میں اور اتھ ڈالا اُس کے ہر اک این اُن میں ہے	اے رات تیرے پردہ دامن کی اوٹ میں بیٹھا نقب لگا کے کسی کے مکاں میں ہے

ہے چپکے چپکے دیکھ رہا کھول کھول کر	اسباب سب اندھیرے میں گھر کا ٹھونکر
	۴ لے جائیگا غرضکہ جو کچھ ماتھے آئیگا دیکھو کیا یا کس نے ہے اور کون اڑائیگا
بیٹھا اندھیرے گھر میں جلے چراغ ہے اڑتا مگر ہے کھولے ہوئے پر خیال کے جاتا زمین کی تہ میں ہے پھر غوطہ مار کر ہو جاتے ہیں وہی دُر مضمون نئے نئے	اس تیرہ شب میں شاعر روشن مانع ہے دوبا ہے اپنے سر کو گریباں میں ڈال کے لاتا فلک سے ہے کبھی تارے اتار کر پڑھتا ہے ذرہ ذرہ پہ افسوں نئے نئے
	۵ مضمون تازہ گر کوئی اُس آن مل گیا یوں خوش ہے جیسے نقش سلیمیاں مل گیا
پھرتا ٹوٹتا ہوا مانسند کور ہے لاتا پر ایسے ڈھب لفا فہ بدل کے ہے	اس تیرہ شب کے پردہ میں شاعر جو چور ہے مطلب اڑاتا شعر سے مضمون غزل سے
	تعریفیں اُسکی کرتے ہیں جو شعر سنتے ہیں مضمون کیا ہے جبکہ وہ سر بیٹھے دُختے ہیں
آزاد سر جھکائے خدا کی جناب میں اور کرتا صدق دل سے دعا بار بار ہے رکھتا نہیں زمانے کے جنجال سے غرض	عالم ہے اپنے بستر راحت پہ خواب میں پھیلائے ماتھے صورت امیدوار ہے مجھ کو تو ملک سے ہے پٹ پٹال سے غرض
	۶ یار ب یہ التجا ہے کیم تو اگر کرے وہ بات دے زباں پہ کہ دل میں تر کرے
کرتا ہے اس کو خرچِ عدو کے علاج میں اچھا تو ہے کہ رکھتا نہیں دل میں کھوٹ ہے	آجاتی پر کبھی جو ہے شوخی مزاج میں کرجاتا صاف دشمن بد میں پہ چوٹ ہے

<p>کھوٹا اگر زباں کاٹنے ل کا کھرا تو ہے ۲ اتنا ضرور ہے کہ ذرا مسخرا تو ہے</p>	
<p>اے رات یہ جو تو نے سرِ شام آنکر اور اُس پہنچ پرست کہ یادِ خدا میں ہے اس کو اُسی کی ذات سے کو لگی ہوئی</p>	<p>سجادہ سیاہ بچھایا ہے تان کر بیٹھا رو فتاہ ہوائے بقا میں ہے اور دل میں مہم ہے تک دو لگی ہوئی</p>
<p>کب تک رہے حجاب گلا گھوٹ گھوٹکر اپنی ہوا میں ایک ہو بچھوٹ پھوٹ کر</p>	
<p>دریا میں چل رہا کہیں اس دم جہاز ہے بیٹھے اُسی کی آس پہیں دل دئے ہوئے بادِ مراد دیتی ہوائے مراد ہے آنکھیں جھوں کی لگ رہی ہیں بادیاں پر</p>	<p>اہل جہاز جن کا خدا کار ساز ہے کچھ حشر میں ہیں دل میں کچھ رماں لئے ہوئے پر دل کو بھولتی نہیں طوفاں کی یاد ہے اور جاتی ہے دعا کی صدا آسمان پر</p>
<p>یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہو اکی امید پر ۲ اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر ۲</p>	
<p>دل دے رہا جو شہِ محبت کے جام ہے ہر چند کام کاج سے ہے گھر کے تھکے ہی اور کہتی ہے کہ مجھ کو پڑے یا نہ کل پڑے</p>	<p>ماں دیکھو اپنی نیند کو کرتی حرام ہے بچہ کو ماتھے سے ہے برابر تھپک رہی ایسا نہ ہو کہ یہ کہیں ڈر کر اچھل پڑے</p>
<p>ماں کو تو سوتے جالتے اس کا ہی دھیان ہے ۲ کروٹ نہیں بدلتی کہ ننھی سی جان ہے</p>	
<p>پر جائے حیف حال اُسی جاں بلب کا ہے دن بھر دو غذا میں رہا غیبِ حال ہے بٹی چراغِ عمر کی ہے جھملا رہی</p>	<p>سب جس کو کہ رہے ہیں کہ مہمانِ شب کا لیکن ہے اب چال کہ بچنا محال ہے اور بے کسی سڑنے ہے آنسو بہا رہی</p>

اے رات مجھ کو فکر یہی بار بار ہے اس کی تو زندگی کوئی دم کا شمار ہے

کون اسکا ساتھ دیو یگا جو صبح جب تلک
روویگا کوئی شام کے مردے کو کب تلک

آزاد آفریں تری لطفِ زبان کو سب اپنے اپنے کام میں ہیں ل دئے ہوئے
پر کروٹ اب ہے رات کے دی آسمان کو تو کیوں یہ بیٹھا بادۂ غفلت پہنچے ہوئے

کوئی گھڑی تو ہوش و خروش سے بھی کام لے
وقت سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

مثنوی موسوم بہ صبح امید

بک

جب کیا صبح نے روشن فلک بینائی
انگہ مکر جو نظر کی سوئے میدانِ جہاں
کام کرتی تھی جہاں تک نگہ دور انداز
سبز و شاداب تمام ایک طرف دامنِ کوہ
برگ برگ اُس کا ہے آئینہ لئے پیشِ نظر
آرزوؤں سے کھلے ہیں گل رعنا یکسر
قلعہ کوہ کہ تھا چرخِ بریں سے ہمارے
تھی تو ظاہر میں بہت سخت چڑھائی اُسکی
اُس پر چڑھنے سے مگر تنگ نہ جی ہوتے تھے
گرچہ تھا پاؤں اٹھانے کا نہ یارِ دل کو
کہ چڑھائی جو نظر آرہی تھی دور بہت

بسترِ خواب سے میں یکے اٹھا انگڑائی
ذرا ذرا میں نظر آیا رخِ جانِ جہاں
نکھاکھلا آنکھوں کے آگے چمنِ قدرتِ از
جس پر ہے فرشِ زمیں گلشنِ گردوں کی نشو
جن میں ہیں جلوہ نما دل کی مرادوں کے ثمر
جن سے نکلیں گے ثمرائے تمنا یکسر
رکھتا تھا طولِ امل سے بھی سوارِ دراز
اور مسافت بھی کسی نے نہیں پائی اُسکی
دم اکھڑتے نہ تھے اور سینے قوی ہوتے تھے
کوئی دیتا تھا مگر ایسا سہارا دل کو
دل یہ کہتا تھا کہ ہمت میں ہے مقدور بہت

جشنِ شامانہ کا سامان نظر آتا تھا وہاں
 دل اس آواز پر اس طرح کھچے جاتے تھے
 اس طرف میرا دل زار بھی یوں آہ چلا
 کاہ کی طرح سوئے کاہ باہنچا میں
 دیکھا ایک باغ کہ قدرت نے لگایا ہے
 محملِ سبز سے ہے سبز تر پانداں
 برسہ کوہ چوپانی کا ہے چشمہ جاری
 آب یوں سرسبے بدامان جبل مار رہا
 سنگِ مرمر کی لب آب جو ایک سیل ہے پڑی
 رنگِ رخ کو گل گلزار سے چمکائے ہوئے
 اسپہ ہے چتر کی جاسایہ فگن سبز نہال
 نوجوانانِ چمن بزمِ سجاتے ہیں کھڑے
 سر پر جو اُس کے دھری ہے کلتہا جوری
 اس کے ہر پھول میں لیکن یہ تماشا ہے لگ
 اس سے ہر شخص شمیمِ اپنی جدا لیتا ہے
 رخ جو ہے آئینہ روئے تمنا اُس کا
 ایک طرف عقل ہے ایک سمت کو تیر کھڑی
 دیتی ہزل پہ ہے وہ نور سے تنویر جدا
 رکھتی ہے ایسا اثر نرگس جادو اسکی
 ہے ہر ایک شخص سمجھتا کہ اشارا ہے مجھے
 اسکے دربار میں ہیں شاہ و گدا آئے ہوئے

سازِ عشرت کوئی درپردہ بجاتا تھا وہاں
 گویا دڑے سوئے خورشید اُڑے جاتے تھے
 جیسے بلبل سوئے گل کبک سوئے ماہ چلا
 الغرض منزلِ مقصود پہ جا پہنچا میں
 گل خود مرونے عجب جلوہ دکھایا ہے وہاں
 رنگ گل اُس پڑکھاتے ہیں تماشا انداز
 نہرِ بن بن کے دکھاتا ہے عجب ہر شاری
 سانپ سیما کا ہو جیسے کہ بل مار رہا
 اسپہ ایک شک پر می ہاتھ میں پھولوں کی چھری
 بیٹھی ایک پاؤں کو پانی میں ہے لٹکائے ہوئے
 پھول برساتی ہے پہلو میں کھڑی بادِ شمال
 فرشِ گہا ہے بہاری کا بچھاتے ہیں کھڑے
 ہے بجائے درِ الماس وہ پھولوں سے بھری
 کہ ہر ایک نگہ کو رنگ پنا دکھاتا ہے الگ
 ہر دماغ اُس سے نئے دھبکا مزا لیتا ہے
 شمعِ ساں چاروں طرف ایک ہے جلوہ ہکا
 آگے جامِ مئے غفلت لئے تاثیر کھڑی
 کامیابی کی دکھا دیتی ہے تصورِ بر جُدا
 پڑ رہی دل پہ نظر ہے جو ہر ایک سو اسکی
 تڑپ اٹھتا ہے ہر ایک دل کہ پکارا ہے مجھے
 اپنے دامانِ تمنا کو میں پھیلائے ہوئے

دوبدم ہے جو نیم سحر آتی جاتی
 دل نے درباریہ جس وقت دکھایا مجھ کو
 دیر تک دل ریا تصویر تر آئینہ
 غور کی راز نہفتہ میں بہت سی میں نے
 دیکھتا کیا ہوں کہ بیٹھا ہے چائے اقبال
 دیکھتے ہی مجھے یوں بولا ابد خوشحالی
 آؤ تم قید تعلق سے ہو آزاد بہت
 آؤ یہاں سایۂ اقبال میں بیوس تم کو
 آؤ اس سایہ میں تم ابرگر بار ہے یہ
 اس کے نغمے سے جو یہ راز پر افسوں نکلا
 آ کہ آبا د ترے دم سے ہے دائم دنیا
 آ کہ ہے تیرے ہوا میں دل شید گلشن
 دل کے گلشن پہ ہے چھایا ہوا ننگ ترا
 کونسا دل ہے کہ جس پر نہ چلے دم تیرا
 کونسا باغ ہے جس میں کہ صبا تیری نہیں
 کونسا دل ہے کہ جس میں نہیں چاٹھی
 تار برقی سے سوا حکم ترا چلتا ہے

بوئے اُمید ہے ایک ایک کو سنگھاتی جاتی
 اور طلسمات کا عالم نظر آیا مجھ کو
 پر جو تہ بات کی تھی فہم میں وہ آئی نہ
 شجرِ چتر پہ لیکن جو نظر کی میں نے
 دو نو پر کھولے ہوئے ہے بہ ہوائے اقبال
 آؤ آزاد تمہاری ہی جگہ تھی خالی
 اپنی وار سنگئے دل میں ہو تم شاد بہت
 لاؤ کیا آرزوئے دل ہے کہ دیوس تم کو
 یعنی شہزادے اُمید کا دربار ہے یہ
 دل سے بے ساختہ یہ مطلع نمود نکلا
 اور مثل ہے کہ بامید ہے قائم دنیا
 لہلاتے ہیں تسی یاد میں کیا کیا گلشن
 کونسا پھول ہے جس پر کہ نہیں ننگ ترا
 کون انسان ہے خوشی سمجھے نہ جو غم تیرا
 کونسا گل ہے لگی جس کو ہوا تیری نہیں
 کونسا کو چہ ہے جس میں کہ نہیں تری
 دیکھا جس ملک میں ہاں سگہ ترا چلتا ہے

عہد آئندہ کا میدان ہے اندھیرا بالکل
 اس میں چلتے تری تدبیر کے ہیں تیرے

غیب نے ننگ سید جس پہ ہے پھیرا بالکل
 اسی میدان میں ہیں پھرتے تیرے پھر سدا

ذّرہ ذّرہ سے ترے لگتے ہیں اشجار مراد
 جسے کھیتوں میں خزاں آگ لگاتی پھرتی
 چشے خشک و چرین ہوتے ہیں بے آب پڑے
 پیروہقان ہے کہیں بے سرو ساماں بیٹھا
 ہوتا اُس وقت مصیبت میں نہیں بایہ کوئی
 ماں مگر تو کہ جب اُس وقت میں آ جاتی ہے
 اب تر سامنے آنکھوں کے لے آتی ہے کبھی
 کبھی کھیتوں کو ہرا کر کے دکھا دیتی ہے
 و مبدم تازہ فسوں آ کے سُنا تی ہے اُسے
 ننھا جو مایوس پڑا سینہ و سر باندھے وہ
 دھوپیں کھاتا ہے بہتا ہے پسینہ اپنا
 ہر مصیبت میں غرض تو ہے سہارا اُس کا

خاک میں تیری نظر آتے ہیں گلزار مراد
 اور ہوا باغ میں ہے خاک اڑاتی پھرتی
 چاہ بے آب تو لڑے ٹھوٹے ڈولا ب پڑے
 باغبان خاکچہ حیران و پریشان بیٹھا
 نہ مددگار کوئی اور نہ غمخوار کوئی
 جلوہ گرباغ مراد اس کو دکھا جاتی ہے
 پھلے پھولے اسے اشجار دکھاتی ہے کبھی
 کر کے خرمن کبھی انساں لگا دیتی ہے
 باغ سبز ایسا غرض پنا دکھاتی ہے اُسے
 اٹھ کھڑا ہوتا ہے یکبار کمر باندھ کے وہ
 کرتا لبریز مرادوں سے ہے سینہ اپنا
 تیری ہی اُس پہ ہوتا ہے گذار اُس کا

اہل ہمت جو ہیں مردان تجارت پیشہ
 کو وہ صحرائیں ہیں وہ زاد سفر باندھے ہوئے
 نہ تو پانی کا ہے آرام نہ کھانے کا مزا
 ہر قدم پر بس راہ خطر میں لاکھوں
 خلیش خار سے ہے امن دل چاک کبھی
 دل تو ہے سنگ مصیبت شکستہ اُن کا
 ہر قدم تو ہے مگر اُن کی کمر باندھ رہی
 حسن انجام منافع کا دکھاتی ہے کہیں

مشغلہ جن کا سیاحت ہے سفر اندیشہ
 اور چلے جاتے ہیں دنیا لٹ کر باندھے ہوئے
 اٹھ گیا ان کے نصیبوں سے زمانے کا مزا
 ایک جو کھوئے اگر پاس تو ڈر ہیں لاکھوں
 صدمہ یاد وطن کرتا ہے غمناک کبھی
 اور کسی طرح سے کٹتا نہیں رستہ اُن کا
 سمت مقصود پہ ہے تار نظم باندھ رہی
 کر سیاں جاہ و مراتب کی سجاتی ہے کہیں

سامنے جلوۂ اقبال دکھاتی ہے انہیں
کامیابی سے کبھی پھر ہے وطن میں لاتی
طاؤرِ دل پر پرواز ہیں پھیلائے ہوئے

اور خزانے کہیں پُر پال دکھاتی ہے انہیں
آبِ رفتہ کو ہے پھر ہے چمن میں لاتی
اور تراشوق لئے جاتا ہے دوڑائے ہوئے

گرم ہوتا سرِ میداں ہے جو باز استیز
ہوتی حلوں سے لیروں کے ہے آفتِ بریا
نعرۂ توپ سے شیروں کے ہیں منہ مڑ جاتے
کہیں خنجر کہیں شمشیر نظر آتی ہے
پرو ہیں معرکہ جنگ میں ہے تو آتی
ایسا مست مئے جرات انہیں کر دیتی ہے
کہ نشا آنکھوں پہ عینک ہے لگاتا گویا
دیتی ہے چشمِ تصور میں ہر ایک کام دکھا
کہ رنجِ فتح کبھی دیکھتے ہیں گلزاری
فتیحابی سے کبھی پھیر کے ہے گھر لاتی
شہرتِ عام کے دربار میں لاتی ہے انہیں
نام پر فتح کے نقارے بجا دیتی ہے
پرچمِ فتح کبھی لا کے ہے لہا دیتی
نام ایک ایک کے نشانوں پر تم دیکھتے ہیں
سینکڑوں دورِ فلک سر پہ گزر جائینگے

یتیمِ خونبار کہیں اور کہیں خنجرِ خونریز
عرصۂ جنگ میں ہوتی ہے قیامت برپا
بلکہ میں گنبدِ نبلی کے دھوئیں اُڑ جاتے
سامنے موت کی تصویر نظر آتی ہے
ہاتھ میں ہے لئے ایک شیشہ جادو آتی
بلکہ پیمانۂ دلِ خون سے بھر دیتی ہے
سیرِ فانوسِ خیالی ہے دکھانا گویا
ہے پھر اُس کام کا دیتی انہیں انجام دکھا
زیب سر دیکھتے ہیں تاجِ سپہ سالاری
پیشِ لشکر ہے پر دراریِ لشکر لاتی
فخر و اعزاز کی کرسی پہ بٹھاتی ہے انہیں
شرق سے غرب تک ایک صومِ حیا دیتی ہے
فتیحاہلوں کے ہے سر پر سے جلوہ دیتی
اُن کو اس طرح سے شہرت میں علم دیکھتے ہیں
وہ ستارے سے چمکتے ہی نظر آئینگے

دیکھتی چشمِ تصور ہے یہ جب باغِ مراد

اور چمک اٹھتے ہیں سینوں میں ہیں داغِ مراد

سرکفت بر سر میداں ہیں لاو آتے
 جاوے دل خونِ شجاعت سے چھلکا جاتے ہیں
 آتے جانباز جو ہیں سرکفن باندھے ہوئے
 آبِ شمشیر کو شہرت کی طرح پیتے ہیں
 خونِ دلیروں کے ہیں پانی کی طرح بہ جاتے
 گرم ہو جاتا ہے یہ موت کا بازار ویاں
 جان و تن موت کے منہ کا ہیں نوالا ہوتے
 فتحیابی سے بہت چمکے ہیں گلگوں ہوتے
 اے امید ایسے ہزاروں ہیں کشتے تیرے

اہل جوہر میں دکھاتے ہوئے جوہر آتے
 نعرۂ اہل و عاتابہ فلک جاتے ہیں
 اور ہوائیں بسرِ سپنج کہن باندھے ہوئے
 اور جو مرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم جیتے ہیں
 اور بجز سینوں میں خون ہو کے ہیں رہ جاتے
 کہ خریدار پر گزرتا ہے خریدار ویاں
 آسماں اور زمین ہیں تہ و بالا ہوتے
 اور بہت تن بسرِ خاک ہیں پر خوں ہوتے
 یونہی بہتے ہیں سدا خون کے چشمے تیرے

ہیں کتب خانہ ہرستی میں بہت صاحبِ علم
 سوزِ محنت سے بہاتے ہیں پسینے اپنے
 نہ تو کھائے کا ہے کچھ فکر نہ پانی کا خیال
 ہو گئے وصل کتابوں میں ہیں وصلی کی طرح
 پھرتے دن بھر ہیں کتابیں لئے سوائی سے
 تن کو راحت نہیں اور جان کو آرام نہیں
 روز و شب خونِ جگر اپنا جو کھاتے ہیں وہ
 ان مصائب کی ہے تو ہی انہیں طاقت دیتی
 دیدہ دل میں لگا دیتی ہے سُرے کیا کیا
 اہل تصنیف کو ہے عمر دوا می دیتی
 سطح کا غزپہ تو ایک باغ کھلا دیتی ہے

اور بہت مدرسہ دہر میں ہیں طالبِ علم
 حسرتوں سے کئے لبریز ہیں سینے اپنے
 ذوقِ راحت ہے نہ ہے لطف جوانی کا خیا
 بلکہ پونہ ورق ہیں جزا صلی کی طرح
 ہاتھ اٹھا بیٹھے اسی شغل میں بیٹائی سے
 دن ہو یا رات انہیں محنت کے سوا کام نہیں
 اور بلا بارِ مشقت کے اٹھاتے ہیں وہ
 لطفِ انجام سے ہے حسنِ لیاقت دیتی
 دیتی ہے شاہِ مقصود کو جلوے کیا کیا
 بادۂ شوق سے ہے عیشِ مدا می دیتی
 برگ بار آسمیں مرادوں کے لگا دیتی ہے

اور دکھا دیتی ہے سطح سے شاداب حیات
پتے پتے یہ پسند نقش رہے نام ان کا

عوض آب ہے دیتی اُسے تو آبِ حیات
شہر و گلزار زمانہ میں رہے عام ان کا

کہیں ایم اے ہے نہاتی کہیں بی کے کرتی
خلعت بوقلموں لاکے پہناتی ہے انہیں
اس طرح فخر سے دہن ہے اڑاتی ان کے
تازہ دم ہوتے ہیں سب کے دل مردہ اُن سے
زہر کے گھونٹ ہیں شربت کی طرح پی جاتے

کبھی طیارِ بیاقت کے ہے منتھے کرتی
برسرِ کرسی دربار بٹھاتی ہے انہیں
بزم کو جلوہ رنگین ہے دکھاتی اُن کے
ہوتے شاداب ہیں لہاے فسرہ اُن سے
کلفتِ محنتِ آفت سے ہیں سب جی جاتے

دشت پر خا میں ہے بے سُرِ سماں جاتا
اور نہ ہے ساتھ کوئی بوجھ بٹانے کے لئے
رہتی پھر جان کے بچنے کی نہیں اُس سے
بجھ کے رہ جاتا ہے لشل شہرِ سینہ میں
اور وہ اس لطف سے لہرنا ہوا جاتا ہے
اور خوشی سے تن بے دم میں ہے دم آجاتا
جاتا ہے بے سرو پا دوڑتا بنے نابی سے
کوسوں ایک دم میں لئے جاتے ہیں دوڑائے ہوئے
اُتنا ہی آگے ہے پانی کو ہٹاتی جاتی

ایک مسافر کہ ہے سرگشتہ و حیراں جاتا
نہ کوئی بدرقر ہے راہ بتانے کے لئے
اس مصیبت میں ستاتی ہے اگر پیاس سے
طیش راہ سے جلتا ہے جگرِ سینہ میں
دفعۂ آبِ رواں دور نظر آتا ہے
کہ دل سوختہ ہے دیکھ کے لہر آجاتا
دل جو تھا لوٹ رہا سینہ میں بے آبی سے
جامِ ہمت جو اُسے تو نے پیس پوائے ہوئے
نعرِ ہمت ہے مگر جہتِ بنا بڑھاتی جاتی

دل مایوس کو جب اُس کے یقین آجائے
سردیائے فنا موت کا گردا بے یہ

یاں اُس وقت کی لیکن نہ خدا دکھلائے
کہ جسے اب سمجھتا تھا نہیں آج ہے یہ

یہ سمجھتے ہی اندھیرا ہو جہاں آنکھیں نہیں
دل میں ہمیت رہی جسم میں حالت نہ رہی
جان پانی میں ہوا ٹکی ہوئی دم سینہ میں
اُس گھڑی اپنی کرامات دکھاتی ہے تو
حضرت خضرؑ کی ہے شان دکھاتا آتا
اُس کے آجانے سے ہوتی ہے نجات اسکے

ہوں وہیں موت کے آثار عیاں آنکھوں میں
صوت نقش قدم ہلنے کی طاقت نہ رہی
وہ بھی پر ضعف سے آکر ہے تھم سینہ میں
سر بالیں وہ مسافر کوئی لاتی ہے تو
ہاتھ میں پانی کی چھاگل ہے ہلاتا آتا
ہوتا قطرۂ آب آب حیات اس کے لئے

کرتے زاہد جو خدا کی ہیں عبادت دن رات
ذکر فردوس ہیں تو نے انہیں سنوائے ہوئے
رند آزاد جو ہر دم ہے گرفتارِ گناہ
نہیں جز رحمت حق کوئی سہارا اس کا
تو نہوے تو تڑپ کر دل مضطر رہ جائے

ترک دنیا سے ہیں سرگرم یا صنت دن رات
لطف ہر دم ہیں ہی پیش نظر آئے ہوئے
بار عیساں سے ہے بیچارہ گرانبار گناہ
تیری ہی چشم کرم پر ہے گذار اس کا
وہ گنہگار تو غم سے ابھی مر کر رہ جائے

رکھتے ہیں شعر و سخن سے جو سُرکار سدا
ہے شب تار تو سونے سے انہیں کام نہیں
لوگ آرام سے ہیں رات کو سویا کرتے
یہ جو ہر لطف سے ہیں ہاتھ اٹھائے بیٹھے
باغِ سبز اپنے تو ہر لحظہ دکھاتی ہے انہیں
انہیں مطلب نہیں پر اور کسی بات سے ہے
کہ جو آہ اُن کے دل سوختہ جاں سے نکلے
اثرِ درد سے ناخن بے جگر ہوئے سدا

کارِ ارباب جہاں سے ہیں وہ بیزار سدا
دن کو جز فکرِ مضامین کبھی آرام نہیں
اور یہ بیٹھے درمضمول ہیں پرویا کرتے
یا کہ دیوالوں کی صورت ہیں بنائے بیٹھے
مژدہ خلعت و انعام سناتی ہے انہیں
ماں غرض ہے تو فقط اتنی تری ذات ہے
یا کوئی نالہ موزوں کہ زباں سے نکلے
اور جگر درد سے لبریز اثر ہوئے سدا

قول آزاد سے کرتی ہے انہیں یں ارشاد
خوردہ میں ہیں تو سخن داں بھی ہیں موٹا ننگے

ہوئے اس پر بھی جو آشوب جہاں حد سے زیادہ
کہ سخن فہم تر چرخ بریں ہو ٹیٹنگے

دادل جائیگی جب اور کوئی دیکھیگا
آج دیکھنا کسی نے تو کبھی دیکھیگا

مثنوی حب وطن

اور کہتے ہیں یہ نظم نگارانِ فارسی
خار و وطن ز سنبل و ریحان نکوتر است
اور متفق اسی پر زمانہ تمام ہے
اس سلطنت کو چاہئے طرزِ نظام اور
نکلے جو گل تو خاک ہو فرقت کے داغ سے
ماہی کی زندگی کسی صورت بسر نہ ہو
داخل ہو وہ بھی زمرہ اہلِ دوا د میں
آرام جان تن کو جو سمجھیں گھر و عید
اور وقت خواب فرش بھی سونے کو نرم ہو
سودا پکائے بلبیل شیدا داغ میں
یاد چمن میں جان دے سر پھوٹ پھوٹ کر
یاد وطن میں ہوئے گے خوش و گے خوش
اور مادر و پدر کے لئے بیقرار ہوں

ہے قول جملہ تجربہ کارانِ فارسی
حب وطن ز ملکِ سلیمان نکوتر است
سلطانِ دل کا گرچہ یہی حکم عام ہے
پر ملکِ مصلحت کا ہے کچھ انتظام اور
حب وطن اسے نہیں کہتے کہ باغ سے
حب وطن نہ یہ ہے کہ پانی میں گر نہ ہو
یا ہو گر جو ٹٹا دریا کے یاد میں
حب وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ وید
آبِ خنک ہو سامنے اور نانِ گرم ہو
یہ الفت وطن نہیں ہرگز کہ باغ میں
آخر شکار دام ہو گلشن کو چھوڑ کر
حب وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ شہ
بچوں کی طرح روتے سدا زار زار ہو

اور یار کا فراق بہت دل پر شاق ہو
بچوں کے منہ کو چومتے آنکھوں پر ہیں
بی بی کہیں میاں کو بہت مجھے پیارا
اور گاہ سیر کو چہ و بازار کے لئے

اہل و عیال کا نہ گوارا فراق ہو
حب وطن اسے نہیں کہتے کہ گھر ہیں
ہے کوئی گود میں کوئی گردن کا ہار ہے
روئیں سفر میں دوست گئے ہار کے لئے

یہ دوستی تو خوب نہیں بلکہ زشت ہے
ایک نقل یاد آگئی اس اصل پر مجھے

انے دست یہ تو دوستی سنگ و خشت ہے
آیا یہ دھیان آج جو وقت سحر مجھے

جو باکمال اس میں ہے وہ بیمثال ہے
پر جان سے عزیز تھا دلی کو جانتا
اور نقد بہزاد سسر اس کے واسطے
پر ہاتھ سے یہ مال بھی چھوڑا نہ جاتا تھا
اسباب سارا راہ سفر کا سنبھال کے
پر جیسے چھوڑ کر کوئی بلبل چین چلے
جو دفعۃً نظر پڑی دریا کے پار پر
اور دلی چھوڑتے ہوئے بھرا یا ان کا دل
جلوہ دکھاتی جامع مسجد نظر پڑی
اور ان کو بے چلا وہ چھڑا کر وطن سے تھا
پیچھے چلیں گے پہلے مگر یہ تو دو بستا
منہ دیکھ کر وہ ان کا ہنسنا اور کہا نہیں
مسجد بھی اس طرح کی دکھا دو گے وہاں بھلا

دلی کہ جو ہمیشہ سے کانِ کمال ہے
ایک شخص وہاں تیار نوازی کی جان تھا
آیا دکن سے خلعت و زراں کے واسطے
ہر چند منہ تو دلی سے موڑا نہ جاتا تھا
مطلب یہ ہے کہ بعد بہت قبل قال کے
دلی کو یہ بھی چھوڑ کے سوئے دکن چلے
پہنچے مگر ابھی تھے در راج گھاٹ پر
دریا کی لہریں دیکھ کے لہرایا ان کا دل
منہ پھیر کر نگاہ جو نہی شہر پر پڑی
تب وہ پیامبر کہ جو آیا دکن سے تھا
دیکھا نگاہ یاس سے اور اس سے یہ کہا
ایسی تمہارے شہر میں جہنا ہے یا نہیں
پھر سوئے شہر اشارہ کیا اور یہ کہا

وہ شخص مسکرایا کہ یہ کیا سوال ہے
ہے اپنی طرز میں یزالی جہان سے
یہ بات اس کی سنتے ہی چیں برجیں ہوئے
جمنہ نہیں ہے جامع مسجد جہاں نہیں
اپنے دکن کو آپ روانہ شتاب ہوں
اور گاڑی اپنی بھی میاں گھاڑیاں پھیر
ہم اپنی دلی چھوڑ دکن کو نہ جائینگے

اس خانہ خدا کا ثنوی محال ہے
اُترتی زمین پہ جکی شبیہ آسمان سے
اور بولی خیر ہے کہ روانہ نہیں ہوئے
سنتے بھی ہو میان ہمیں جانا وٹاں نہیں
پر اس چمن کو چھوڑ کے ہم کیوں خراب ہوں
گراں پھرے نہ یہاں سے تو قسمت کا جانچ
گر یہاں بہت نہ کھائینگے تھوڑا ہی کھائینگے

ایسے ہی ننگِ حُب وطن بد نصیب ہیں
کہتے ہیں دکھ اٹھانا ہو یا درد سہنا، ہو
اب میں تمہیں بتاؤں کہ حب وطن ہے کیا
وہ رحمتِ خدا کہ جو بندوں پہ عام ہے
وہ نورِ مہر جس سے زمانہ میں نور ہے
حب وطن ہے جلوہ اُسی نورِ پاک کا
ہو مہر میں یہ نور تو اس کو کرن کہیں
رکھنا جو سب پہ لطف و کرم کی نگاہ ہو
آوارہ سفر ہو کہ موجود گھر میں ہو
ہر حال میں رہیں اُسے اہل وطن عزیز
حب وطن کے ملک میں فرمانروا ہے وہ
اور جس وطن کی چاہ تھی یوسف کے سینہ میں
لیکن یہ راز اہل حقیقت سے پوچھئے

گھر میں مسافروں سے جو بدتر غریب ہیں
تھوڑا سا کھانا ہو پہ بنارس میں لہنا ہو
وہ کیا چمن ہے اور وہ ہوائے چمن ہے کیا
وہ لطف عام جس سے جہاں شاد کام ہے
وہ نورِ ذرہ ذرہ پہ جس کا ظہور ہے
اور روشن اس کے نور سے عالم ہے خاک کا
گردل سے جلوہ گر ہو تو حب وطن کہیں
اور دل سے ہر بشر کے لئے خیر خواہ ہو
ماخذ اپنا جب نفع میں ہو یا ضرر میں ہو
اور ہو ویں نیک بد روش جان و تن عزیز
تاج و سریر ہو کہ نہ بادشاہ ہے وہ
اس کا تو نقش دیکھ لو دل کے گیتے میں
اس کا طریق پیرِ طریقت سے پوچھئے

دل جو گھڑی کی طرح برابر ہے چل رہا
 حب الوطن کے راہ میں گرم نفس ہے یہ
 یعنی کہ پاؤں اپنے وطن کا پست کہاں
 ہر دم وطن کی سمت ہے منزل بدل رہا
 نالائع غم فراق سے مثل جرس ہے یہ
 بلبل تھا کس چین کا میل و آپھنسا کہاں

جنت سے آئے آدم و حوا زمین پر تھے
 میراث اپنی گلشن جنت کا باغ ہے
 پر آفرین ہے حضرت انسان کی ذات کو
 لیتے وطن قبضہ ہیں دیدیکے جان تک
 رکھتے جو قبضہ گلشن خلدیریں پر تھے
 حق ہے اگر فراق سے دل داغ داغ ہے
 بھولے نہیں ہیں آج تنگاپنی بات کو
 آخر پہنچ ہی رہتے ہیں باغ جاناں تک

آزاد خیر ہے کدھر آیا خیال ہے
 جانا تھا کس طرف کو قدم جا پڑا کہاں
 دنیا زبس کہ مزرعہ عجبے تمام ہے
 تم دیتے کیا جواب ہو اور کیا سوال ہے
 تھا ذہن کس خیال میں اور جا لڑا کہاں
 سرسبز کرنا اس میں بھی لازم کلام ہے

لکھتے ہیں اس طرح سے مورخ فرنگ کے
 یعنی یورپ کے ملک میں دو تاجدار تھے
 سرحد یہ کچھ فساد تھا پر ایسا پڑ گیا
 آخر کو تھے جو واقف اسرار سلطنت
 دو جاں نثار ملک روانہ ادھر کریں
 تباہ چاروں جس جگہ کہ ہم ایک بار ہوں
 جانبا ز اس طرف کے مگر جان تو بڑ کر
 ایک حصہ طے نہ رستہ حریفوں نے تھا کیا
 دانا روز معرکہ صلح و جنگ کے
 دونوں کے اہل ملک مگر جاں نثار تھے
 دونوں کے اتفاق کا نقشہ بگڑ گیا
 سمجھے ہم یہ مصلحت کار سلطنت
 اور اپنے دو ادھر کو وہ گرم سفر کریں
 سرحد ملک کے وہیں قائم منار ہوں
 ایسے اڑے کہ پیچھے ہوا کو بھی چھوڑ کر
 یہ بین حصہ بڑھ گئے اور ان کو جایا

بولے یہ عہدِ قول و قرار اپنا توڑ کے
پھر اب کے دو طرف سے وال یکبارہوں
اور یہ ارادہ خوب طرح دل میں ٹھان لے
سرحد پہ وہ زمین کا پیوند ہوئے گا
حب الوطن کے جوش سے بولے پکار کے
اور بات جو کہ ہونی ہے پھر وہ ابھی سہی
سرحد ہماری ہو چکی بس ہم کو گاڑ دو
جیتے کے جیتے ملک کی سرحد پر گڑ گئے

لیکن حریف شرط کے میدان کو چھوڑ کے
دو اپنے اپنے ملک کے جوجاں نثار ہوں
پر اپنی بات پہلے ہر ایک شخص جان لے
یعنی جوشِ شریعت کے خورسند ہوئیگا
جان باز آئے تھے جوا بھی راہ مار کے
جوشِ شرط اب لگائی ہے تم نے یہی سہی
پریز سچ میں نہ جیسلمہ حوالہ کی آرٹ دو
حاصل یہ ہے کہ دونو اسی جا پہ آر گئے

روما پہ کی جو فوج کشی ایک غنیمت نے
پر اہل ملک ان سے سوا جاں نثار تھے
اٹھے برائے جنگ ایمر و غریب شہر
حب الوطن کے حق میں نیستان کی شیر تھا
اور لشکرِ عدو کی طرف آیا فتر سے
اعدا کے خون میں ڈوبے سدا جنگ کے ہاتھ تھے
تھے مائیں کو باپ کہا کرتے سب وہاں
پہل سے اتر کے آئے یہ دشمن کی فوج پر
اعدا کے خون بہاتے رہے کاٹ کاٹھے
حملہ تو ہم نے روک لیا پہل گراؤ تم
یہ تیر و نیزے مارے گئے تان تان کر
ایک آدمی کا لہ گزر جبکہ رہ گیا

اور ہے لکھا مؤرخ عہدِ قدیم نے
تیار اہل فوج پئے کارزار تھے
آیا حریف جب کہ نہایت قریب شہر
پر ان میں کو کلیز جو مردِ دلیر تھا
نکلا وہ سبکے اسلحہ جنگ شہر سے
دو جاں نثار حب وطن آور ساتھ تھے
ہے جیسا بحرِ گنگا کا مائی لقب یہاں
وہ بحر نیچے شہر کے تھا اوج موج پر
پہل کا دہانہ روک کے تینوں کے گھاٹے
اور اپنی فوج کو یہ پکارے کہ آؤ تم
مسما را دھروہ کرتے رہے پہل کو آنحو
پہل سارا ٹوٹ ٹوٹ کے دریا میں بہ گیا

تب کو کلین یاروں سے بولا کہ جاؤ تم
 قسمت میں جو لکھا ہو سو ہو۔ چھوڑ دو مجھے
 ایک ایک رفیق جب کہ ادھر پار ہو گیا
 لاکھرا پہلے دشمنوں کو دھوم دھام سے
 ٹالا ہے تو نے سر سے عدو کی تباہی کو
 دشمن کی فوج تیغیں سنبھالے ہی رہ گئی
 دیکھو تو فیض حب وطن اس کو کیا ملا

اے میرے پیارے ہموطنو غم نہ کھاؤ تم
 تم جاؤ اور خدا کے حوالے کرو مجھے
 اور پل جو کچھ رہا تھا وہ مسمار ہو گیا
 اور ٹائیٹر میں کہکے یہ کو د ادھر ام سے
 اے میرے باپ لیجوا اپنے سپاہی کو
 اور موت اپنے دانت نکالے ہی رہ گئی
 جھٹ چار ہاتھ مار کے یاروں میں جا ملا

گر اس ہوا میں رکھتے ہو دل لالہ زار تم
 ایرانیوں کے عہد کیانی کو دیکھ لو
 کیا کیا محافلوں سے بچایا ہے ملک کو
 کیا کیا نجل کیا ہے سپہر نفش کو
 اعدا کے خوں تیغیں ہیں کیا آبدار کیں
 ان میں بھی سیستان کے بہادر وہ شیر تھے
 کرتے تھے عیش دمن کو ہمایں کبھی
 مثل غزال دشت میں کرتے کلیل تھے
 آب رواں پہ لیتے بہاروں کے لطف تھے
 پر سنتے جب کہ شاہ بعزم غنیم ہے
 دروالم میں ہوں کہ نشاط و سرور میں
 جس حال میں ہوں بے سرو پا اٹھکے دور تھے

اور ہو تیغ حب وطن دل فگار تم
 اس بحر سلطنت کی روانی کو دیکھ لو
 کیا کیا عروج دیکھے بڑھایا ہے ملک کو
 کیا کیا شکوہ دی ہے کیانی دفرش کو
 کیا کیا وطن کے نام پہ جانیں نثار کیں
 جن سے کہ ایک جہاں کے زبردست زیر تھے
 اور لوٹتے تھے سبزہ گلزار میں کبھی
 جنگ پلنگ شیر نہیں بچوں کے کھیل تھے
 تیر و کماں سے لیتے شکاؤں کے لطف تھے
 یا یہ کہ اپنے ملک کی حالت سقیم ہے
 ہوں گھر میں یا کہ وادے نزدیک دوڑیں
 روے زمیں مثل ہوا اٹھ کے دوڑتے

اور ان میں شانِ رستم دستاں کی دیکھئے
وہ جس طرف بپھر کے بشکل بلا چلا
وہ گزر گاؤں کو دھرے قاش زیں پر
ریش دوشاخ دوش ہوا پر اڑی ہوئی
نولاد کا وہ خود جو کلمہ تھا شیر کا
بریں وہ چرم شیر کا خفاں پھنسا ہوا
پاکہ رٹی سی وہ رخش پہ چیتے کی کھال کی
جانا چھڑائے شاہ کو مازندراں میں
وہ بار بار معرکے افراسیاب سے
جب گرم کارزار ہوا خوں بہا دئے
وہ سیستان کا شیر عجب کام کر گیا

الفت وطن سے شیر نیستاں کی دیکھئے
بولی زیں لرز کے کدھر زلزلہ لا چلا
لنگر کا جس کے صدر مہوگا و زیں پر
افعی کے پیچ و خم میں وہ موچھیں ٹھی ہوئی
کرتا فزوں تھا دبہہ گرد و لبیر کا
اور پائے عزم ناف تیں میں دھنسا ہوا
اور دوش پر شکوہ وہ گینڈے کی ٹھال کی
لڑنا وہ دیو دد سے رہ ہفت خواں ہیں
ہونا ہمیشہ سینہ سپر انقلاب سے
اور دشمنوں کے خوں سے جیوں بہا دئے
حب الوطن کے معرکہ میں نام کر گیا

ہر چند شہرہ خلق میں رستم کا عام ہے
پر جو ویاں دلاور فرخندہ کام تھے
جب سنتے تھے کہ شاہ کہیں گرم جنگ ہے
سو تھے ہوں یا کہ بیٹھے ہوں یا میسٹ ہوں
حب الوطن کے جوش میں ہر کام چھوڑ کر
اور معرکہ میں جنگ کے پھر جوش عزم میں
لڑتے تھے اور مرتے تھے اور جاں کھوتے تھے
میدان جنگ جتنکے ہمت کے داؤں میں
چہروں کو رنگ دے کے گلِ نوبہار سے

اور لیتا آج تک ہی ہر ایک اس کا نام ہے
حب الوطن کے رستم دستاں سام تھے
یا جنگ سے وطن پہ ہوا عرصہ تنگ ہے
یا شوق میں شکار کے پادر رکاب ہوں
چاروں طرف سے دوڑتے تھے جان توڑ کر
گرز و کند و تیغ سے میدان رزم میں
اپنے وطن کے نام پہ قربان ہوتے تھے
لاتے تھے اپنے شاہ کو تیغوں کی چھاؤں میں
جاتے تھے گہ کو معرکہ کارزار سے

حب الوطن ہے نور میں ہمنور آفتاب
اس کا بھی روز و شب کی طرح ہمیر پھیرتا ہے
آج اس کا آفتاب ہے اوجِ فرنگ پر
ہے کچھ حساب اور وہاں کی کتاب کا
جاننا نہیں تو بہر وطن جانِ نثار ہیں
قائم ہوتا کہ دہدیہ اہلِ عنبر و پر
وہ مال کچھ سمجھتے نہیں تقدیر و جان کو

اور کرتا ہے ظہور بدستور آفتاب
ایک جا جو روشنی ہے تو ایکجا اندھیرا ہے
اور رات ہند کی ہے رُخ تیرہ رنگ پر
رکھتا ورق ورق ہے نشانِ آفتاب کا
اور تیغِ عزم رکھتے سدا آبدار ہیں
اور بیٹھے سکھ ملک کا نزدیک و دور پر
دیتے ہیں شان اپنے وطن کے نشان کو

عالم جو علم و فضل کے ہیں جوہری بہت
ٹپکانے کو شششوں کے پسینے میں سے ہیں
منا ہوئے سربِ وطن آبِ جو نصیب
شاستگی کے ساتھ رواجِ کمال ہو

ہیں دل میں رکھتے مایہ دانثوری بہت
اور قطرہ قطرہ کرتے ہم ہر کہیں سے ہیں
اپنے وطن کے واسطے ہو آبر و نصیب
علم و ہنر میں اپنا وطن بے مثال ہو

متاجر کہ وہ بھی عقل کے سرمایہ دار ہیں
کھوتے وطن کے نام پہ ہیں مالِ جان کو
لیکن نہ یاد گھر ہے نہ ہے فکرِ زرا نہیں
کرتے ہیں داز و انداز ہم خوشے خوشے سے
چنتے ہیں ساتھ مال کے علم و ہنر کے پھول
دولت کا ہوشِ گفتم وطن میں چین سدا

ہر چند فکرِ مال میں لیل و نہار ہیں
طے کرتے ہیں بپائے سیاحت جہاں کو
حب الوطن کا نقش ہے پیشِ نظر نہیں
اور ذرہ ذرہ ڈھونڈتے ہیں گوشہ گوشہ سے
منا گلشنِ وطن میں کھلیں سیم و زر کے پھول
اور اس سے بہرہ یاب ہوں ہلِ وطن سدا

ایسے بھی اُن میں صاحبِ بختِ نصیب ہیں

دارالشفائے حبِ وطن میں طیب ہیں

عالم میں بہر تجربہ پھرتے ہیں گشت کو
ہیں ذرہ ذرہ چھاننے دریا و کان کا
ہیں گاہ ڈال ڈال میں گہ پات پات میں
ایک ایک ورق ہیں صورت تحریر دیکھتے
تائلے کوئی تازہ مداوا گزند کا

ایک ایک قدم ہیں پاتے وہ کوہ دشت کو
ہیں برگ برگ دیکھتے باغ جہاں کا
ہے غور بات بات کی ذات صفات میں
اور اس میں برگ برگ کی تاثیر دیکھتے
اور ہو دواے درد کسی درد مند کا

پران میں وہ ہے زینت تاج نگین سدا
لایا جو بحر و بر کے سفر کو نہ دھیاں میں

اور زیب سرو میں اُس کے گل آفریں سدا
آیا وطن کو چھوڑ کے ہندوستان میں

فرخ سیر تھا ہند میں فرمانرواے ملک
پر ہند پر تھا حادثہ غم عجب پڑا
اس طرح کا فتور پڑا تھا مزاج میں
سب اہل عقل ہوش و حواس اپنے کھو چکے
پر اس سیح دم نے جو آکر کیا علاج
گویا دوا بکار دعا ہو گئی اسے
نوبت خوشی کی بچ گئی سارے جہاں میں
فرخ سیر کہ شاہ سخاوت مآب تھا
ایک جشن عام اُس نے کیا دھوم دھام
حاضر ہوئے امیر و وزیر آکے سامنے
ملا دامن امید کہ بھر دیں ابھی اُسے
دیر یا دلی طیب کی دیکھو مگر ذرا

اور غیرت نسیم و صبا بھتی ہو اے ملک
یعنی کہ بادشاہ تھا خود جاں بلب پڑا
تھا مبتلا وہ ایک مرض لاعلاج میں
سارے طبیب ہاتھ علا جوں سے صوچکے
ایسا بحسب طبع موافق پڑا علاج
اور تین چار دن میں شفا ہو گئی اُسے
اور جاں تازہ آگئی ایک ایک کی جان میں
بحر کرم کا جس کے جھکولاسحاب تھا
اور شور تہنیت کا اٹھا خاص و عام سے
اور اُس طبیب کو کہا بلو اے سامنے
تا عمر بھر نہ پائے تو خالی کبھی اسے
ڈالی نہ اُس نے لعل و گہر پر نظر ذرا

حب الوطن کے جوش سے بیتاب ہو گیا
 کی عرض ماتم جوڑ کے خدمت میں شاہ کی
 زر کی ہوس نہ مال کی ہے جستجو مجھے
 کچھ ایسا میرے واسطے انعام عام ہو
 بولایہ شاہ اس کا بھی تجھ پر مدار ہے
 تب عرض کی طیبیے یوں بادشاہ سے
 تھوڑی زمیں نواہے دریا کنار میں
 تا اس طرف جو میرے وطن کے جہاز آئیں
 کچھ اُن پہ ہووے راہ نہ بیم زوال کو
 اور جنس جو کہ لائیں وہ نزدیک و دور سے

دل آب ہو کے سینہ میں سیما ہو گیا
 بندہ کو آرزو نہیں کچھ عز و جاہ کی
 پر آرزو جو ہے تو بھی آرزو مجھے
 جس سے میرا تمام وطن شاد کام ہو
 جو مانگنا ہے مانگ تجھے اختیار ہے
 روشن جلال شاہ ہو خورشید و ماہ سے
 مجھ کو عطا ہو مملکت شہر یار میں
 اور اُن میں تاجران ذوی الاتیاز آئیں
 آرام سے اتاریں یہاں اپنے مال کو
 محصول سب معاف ہو اُس کا حضور سے

پہلا علاج کچھ بہت کارگر پڑا
 اُس کی بھی یعنی کلفتِ غم دور ہو گئی
 ہر چند اُسے نہ فائدہ سبیم وزر ہوا
 دامن میں ایک عطاے خدا داد پڑ گئی
 نوبت بجا کر یچی صبح و شام کی

یہ نسخہ لیکن اُس سے سوا چرادر پڑا
 اور خفی جو کچھ کہ بات وہ منظور ہو گئی
 پر نفع بہر اہل وطن کس قدر ہوا
 اور سلطنت کی ہمت میں بنیا د پڑ گئی
 آواز دینگے طبل مگر اُس کے نام کی

اے آفتابِ حب وطن تو کہدھر ہے آج
 تجھ بن جہاں ہے آنکھوں میں اندھیر ہو رہا
 تجھ بن سب اہل درد ہیں دل مردہ ہو رہے
 ٹھنڈے ہیں کیوں دلوں میں تیرے جوش ہو گئے

تو ہے کہدھر کہ کچھ نہیں آتا نظر ہے آج
 اور انتظامِ دل زبر و زیر ہو رہا
 اور دل کے شوق بیخوں میں فسرہ ہو رہے
 کیوں سب تیرے چراغ ہیں خاموش ہو گئے

حب وطن کی جس کس کا ہے قحط سال کیوں
کچھ ہو گیا زمانے کا اُلٹا چلن یہاں
بن تیری ملک ہند کے گھر بے چراغ ہیں
کب تک شبِ سیاہ میں عالم تباہ ہو
عالم سے تاکہ تیرہ دلی دور ہو تمام
الفت سے گرم سب کے دل سرد ہوں ہم
تا ہو وطن میں اپنے زرو مال کا وفور
سب اپنے حاکموں کے لئے جان نثار ہوں
علم و ہنر سے خلق کو رونق دیا کریں

جیراں ہوں آج کل ہے پڑا اس کا کیوں
حب الوطن کے بدلے ہے بغض الوطن یہاں
جلتے عوض چراغوں کے سینوں میں داغ ہیں
اے آفتاب ادھر بھی کرم کی نگاہ ہو
پنجاب تیرے نور سے معمور ہو تمام
اور جو کہ ہم وطن ہوں وہ ہمدرد ہوں ہم
اور مملکت میں دولت و اقبال کا وفور
اور گردنِ حریف پہ خنجر کی دھار ہوں
اور انجمن میں بیٹھ کے جلسے کیا کریں

لہریز جوش حب وطن سب کے جام ہوں
سرشارِ ذوق و شوقِ دل خاصِ ہم ہوں

مثنوی خواب امن

تھک کے خورشید نے م کل جو سر شام لیا
میں کہ دن بھر کی مصیبت تھکا ماندہ تھا
دمِ دم دورِ فلک تازہ سبق تھے گویا
شبِ نیم امنِ اماں سے کبھی شاداب جہاں
بود نابود جو نظروں میں ٹلے جاتے تھے
وغتہ سامنے لیلائے شبِ تار آئی

دل نے بھی کر سئے آرام پہ آرام لیا
مکتب دید کا پر شائق ناخواندہ تھا
رات دن جھجھ کو زمانے کے ورق تھے گویا
اور کبھی شعلہ آفات سے بیتاب جہاں
معنی کون و فساد اُس میں کھلے جاتے تھے
کرتی ایک اک کو مئے شوق سے سرشار آئی

گرچہ لائی تھی نہ سامان مے و مینوشی کا
چال سے سرزہ حیرت کے غبار اڑتے تھے
ایسے انداز سے دامن تھی ہلاتی آتی
اُس کا جھوکا ہوا غفلت کا حجاب آنکھوں پر

یا تھیں شیشہ تھا پردار وئے بیہوشی کا
حال مے یُدہ غفلت کے خمار اڑتے تھے
سب کو تھی امن کے سایہ میں سلاتی آتی
خواب شیریں نے کیا کار تھا ب آنکھوں پر

خواب گو کار جہاں میں خلل انداز ہوا
ذوق گلگشت کا ایک دیکے اشارہ انجکو
کہ نہ تھا فصل بہاری پسحہارا اُن کا
اُس قلمرو میں رواں تھا قلم امن و اماں
پانی نہروں میں پڑا بہتا تھا اور شور نہ تھا
سرکشی سرور سرفراز دکھاتے ہی نہ تھے
زلزل سنبل کی سیاہ تھی یہ سیاہ کا رنگ تھی
شمر شاؤ کا طرہ وہاں طسار نہ تھا
دھوپ کا رنگ چمکتا تھا ٹوٹ جاتی تھی
صبح یہ تاب نہ رکھتی تھی کہ دم مار سکے
پر جب آتی تو شگوفہ بھی نیا لاتی تھی
ہنستے تھے پھول پہ کھلتی گرہ راز نہ تھی
مرغ وہاں نغمہ بے صوت و صدا گاتے تھے
برگ سے برگ و لیکن نہ کھڑک سکتا تھا
لوریاں دیتے تھے نغموں میں پرندے سا
بانگیاں قدرت حق کا تھا جو آیا اُس جا

پر خیالاتِ دلی کو پر پرواز ہوا
ایسے گلزاروں میں لیجا کے اُنارہ محکو
تھا چمن بند طبیعت چمن آرا اُن کا
پنتے پنتے کے ورق پر رقم امنِ اماں
موجیں بھی درست و گریباں تھیں مگر زور نہ تھا
سینہ زوری کے بگولے ادھر آتے ہی نہ تھے
خم تو تھے اُس میں مگر بیچ سے خمار نہ تھی
شونخے چشم سے زگس کو سروکار نہ تھا
اور نسیم آ کے دبے پاؤں نکل جاتی تھی
یا صبا پاؤں کی آہٹ سے قدم مار سکے
ایسا کچھ بھونکا کے کانوں میں چلی جاتی تھی
لوٹ جاتے تھے نکلتی مگر آواز نہ تھی
اور شجر موج ہوا میں پڑے لہراتے تھے
خار کی نوک میں دامن نہ اٹک سکتا تھا
سوئے آرام سے تھے عیش کے بندے سارے
تخنہ ایک تھا گل خود رو کا لگایا اُس جا

اب شیریں سے پڑا کرتا تھا شیریں کاری
اور لب جو پہ وہیں سبزہ خود رو کی بہار
جامُ الفت تھے بہم دشمن جانی پیتے
گنبد امن تھا یا گنبد بسم اللہی

دامن کوہ سے چشمہ جو ہوا تھا جاری
اس پہ جھرمٹ میں درختوں کے لب جو کی بہا
شیر بکری وہاں ایک گھاٹ تھے پانی پیتے
جلوہ گریچ میں ایک قلعہ شاہنشاہی

در و دربان کی ضرورت تھی نہ زہار وہاں
پاسباں امن کا دن رات تھا ہر شبیار وہاں

خسرو امن کا دربار

امن کو سمجھا غنیمت دل غمدیدہ بہت
پر عجب عالم نیرنگ دکھایا مجھ کو
دیتی فرحت تھی دلِ جاں کو ہو کر دربار
آپ تھا پھولوں کے جھومے میں پڑا جھول رہا
مورچھل سر پہ تھا آرام ہلاتا جاتا
دھوپ کی جا تھی مگر چادر مہتاب سدا
نور کے ساتھ سدا اوس بستی تھی وہاں
آرزوئیں تھیں کھڑی ناچتی چیم چیم آگے
کرتے تھے نظم و نسق جملہ برائے دربار
ہاتھ جمعیت خاطر کے تھے سب کام وہاں
دامن امن و اماں خلق پہ پھیلانے ہوئے

میں کہ آشوب جہاں سے تھا ستمزدہ
شوق دل لیکے غرض قصر میں آیا مجھ کو
خسرو امن تھا وہاں جلوہ فرائے دربار
اُس کے آگے تھا مرادوں کا چمن پھول رہا
نیند کا جھوکا تھا جھوٹے کو جھلاتا جاتا
گل خورشید تھا وہاں ہر گل شاداب سدا
صبح دن ات کھڑی سامنے ہنستی تھی وہاں
ہاتھ باندھے تھیں مرادیں وہیں ہر دم آگے
دولت و عیش و طرب تھے امرائے دربار
دل میں افکار پریشاں کا نہ تھا نام وہاں
مرغزادوں میں جو اشجار تھے سب چھائے ہوئے

۴ شغل میں اپنے ہر ایک شخص تھا مشغول وہاں
چھٹنا تھا راحت و آرام کے پھل پھول وہاں

علم امن کا شکر یہ کرتا ہے

پر عجب شان سے وہ مرد خوش اعمال آئے
برین جبہ عربی سر پہ عمامہ کالا
اُن کی مقدار فضیلت کو بتا جاتا تھا
رخ کی عینک نے نگہ شان بڑھائی تھی بہت
اور جھکایا تھا بڑھاپے کی زبیں گیری نے
اور بغل میں کئی جز دان دبائے آتے
ٹپکتے آپ کر مت کا عصا آتے تھے
پہلے سبب بادب دست دعا پھیلانے
علم نے بھیجا ہے تقدیم رسالت کے لئے
ہے ہر ایک شہرت تعریف سے معروف سدا
اور جہاں میں انہیں فکر سحر و شام نہیں
آتے، میں کارگہ دہر میں اُستاد نئے
ہیں یہ جمعیت خاطر کی ہی باتیں ساری
ملنے ہیں پہلے ضرورت سے ہمارے سماں
کشور علم میں سب بھر رہے دم تیرے ہیں
سب کا شیرازہ اوراق پریشاں ہو جائے

دفعۃً دیکھا کہ ایک پیر کن سال آئے
جسم پر نور میں پہنے ہوئے جامہ کالا
پاؤں تک شملہ دستار جو آجاتا تھا
لاغری چہرے پہ ہر چند کہ چھائی تھی بہت
شانہ تنہا ریش مقدس میں کیا پیری نے
ساتھ کچھ لوگ کتابیں تھے اٹھائے آتے
سب کے سب پیچھے بصد صدق صفائے تھے
الغرض باد شہر امن کے آگے آئے
پھر یہ کی عرض کہ آئے ہیں کالت کے لئے
اہل تصنیف ہیں تصنیف میں مصروف سدا
اہل تحصیل کو پڑھنے کے سوا کام نہیں
دمبدم علم ہے کرتا عمل ایجاد نئے
درس تدلیس کے چرچے جو ہیں گھر گھر جاری
جو ہمیں چاہئے موجود ہیں سارے سماں
اے شہ امن یہیب فیض کرم تیرے ہیں
تو نوٹے تو ابھی خلق میں طوفان ہو جائے

زراعت شکر یہ کرتی ہے

اور نہ تھا علم نے طور مار لیٹا اپنا

تھا انہوں نے ابھی دفتر نہ سمیٹا اپنا

دیکھا انہو پہ ایک حد سے زیادہ آتا
گھوڑیاں آگے سواری میں بچھیرے پیچھے
گود میں ہے کوئی گو سالہ اٹھائے آتا
نذر کے ٹوکے کندھوں پر دھرے آتے ہیں
ٹھٹھے اعزاز کے جن لوگوں نے میں پائے دئے
ہمتِ عزم میں بوٹھے بھی جواں ہیں اُن کے
دیکھا انہیں سب علما ہنسا کے کنارے آئے
اور کہا سب کے کہ اے بادشاہ امن و امان
کر کے طے گھر سے بہت فرسخ میل آئے ہیں
کہ وہ صحرا میں جو ہیں بیٹھے سہارے تیرے
کھیت پر بیٹھے ہوئے ہیں تو دعا کرتے ہیں
تو وہ میساں ہے کہ جس کھیت پہ آجاتا ہے
کشتِ امید زمانہ کی ہری ہے تجھ سے
پیردہقان کہ جو ہے سایہ میں تیرے بیٹھا
سایہ امن تیرا اُس کو ہر ارکھتا ہے
تو بچاتا ہے زمانے کی لکڑ کو بی سے
فیضِ رحمت تیرا ہر لحظہ بڑھاتا ہے کسے
کرنا خرمن ہے تو یہی بچھیرے ہوئے دانوں کو

ہے سوار اُن میں کوئی کوئی پیادہ آتا
اور کئی بیل لئے آتے ہیں گھیرے پیچھے
کوئی ہل اپنا بغل میں ہے دبائے آتا
نئی فضاؤں کے اناج ان میں کھیرے لاتے ہیں
بالیں گیوؤں کی وہ پچڑھی میں ہیں لٹکائے ہوئے
تقدستی کے نشان منہ پر عیاں ہیں اُن کے
بے تکلف سر دربار وہ سارے آئے
تجھ سے جاری ہے زمانے میں دامنِ اماں
جانبِ ہل زراعت سے وکیل آئے ہیں
اُسے رکھتے ہیں اُن ات بچارے تیرے
گھر میں ہیں تو تیرے شکرانے ادا کرتے ہیں
خاک پر آپ زمرّد کو بہا جاتا ہے
سبز کھیتوں کی سدا گود بھری ہے تجھ سے
جانِ مال اپنا ہے مٹی میں بچھیرے بیٹھا
صرفِ فتنہ سے محفوظ سدا رکھتا ہے
ترکنا زانِ حوادث کی چُر آشوبی سے
زور تیرا ہے کہ زکر کر کے اٹھاتا ہے اُسے
تو ہی اک دانے سے ہے پالتا سو جانو کو

نہ

تو نہ ہو دے تو ہرے کھیت ہوں پامال تمام
دم میں ہو خلقِ خدا کال سے بد حال تمام

تجارت شکر تہ کرتی ہے

سخن اُن کا نہ سرِ خانمہ آیا تھا ابھی
لوگ کچھ اور بھی آئے پئے تقریر وہاں
گرچہ حالِ نیازِ بان سے نہ بتاتے تھے وہ سب
کہ ابھی قطع کئے راہِ سفر آئے ہیں
تھا کوئی دوشِ پُنجو حیل اُٹھائے آتا
رنگِ سنولائے ہوئے چہرے تھے گرد آلود
دشت و دریا کے عجائب تھے وہ ہمراہ لے
خسر و امن کے دربار میں جب آئے وہ
اے شہرِ امن دعا خلق خدا کرتی ہے
کہ تیرے نظم و نسق سے جو میں رستے جاری
ہم اُٹھالیتے ہیں نفعِ درم و دام اُن سے
کاروانوں کے شبِ روز جو ہیں تار لگے
رہے جس جا پہ مسافر کے لئے گھر ہے وہیں
نہیں اصلاً خطر رہزنی دہرا نہیں
کوئی دم لیتا ہے رستہ میں کوئی سوتا ہے
اے شہرِ امن اگر لطفِ تیرا عام نہ ہو

اور زرعِ تنے یں حرمِ من اُٹھایا تھا ابھی
دشت و دریا کی لگے کھینچنے تصویر وہاں
مگر انداز سے ایسے نظر آتے تھے وہ سب
ریل سے یا کہ جہازوں سے اُتر آئے ہیں
اور بخل میں کوئی بیگ اپنا دبا لے آتا
دل تھے کلفتِ زدہ اور سینے تھے درد آلود
تھے ہر ملک کے ہاتھوں میں پئے شاہ لے
بعدِ آدابِ زباں پر یہ سخن لائے وہ
اور تجارتِ تیرا شکرانہ ادا کرتی ہے
شرق سے غریب میں جنس ہیں پہنچتی ساری
اور جو گھر بیٹھے ہیں وہ پاتے ہیں آرام اُن
کوہ و صحرا میں جہاں کچھ ہیں بازار لگے
شیرِ کج شک جو چاہو تو میسر ہے وہیں
ہے تیرے فیض سے ہر دشت و جبل شہر نہیں
پر کہیں کیل کا بھی کھٹکا نہیں ہوتا ہے
اور تیری نظم پر عالم کا سرِ خجام نہ ہو

ابھی بازارِ جہاں زیرِ وزر ہو جائے

خانہ امن و اماں موت کا گھر ہو جائے

صنعت دستکاری

اور تجارتیہ وکال تھی نہ بڑھانے پائی
لیکن اس رنگ سے وہ دخل دربار ہوئے
یا چین ہو کوئی نیرنگ و فسوں کا آنا
پھول جھڑتے تھے جو تھے ہاتھ ہلاتے آتے
رنگ چمکا کے کیا نقش نگین تھا ان کو
ضعف مینائی سے عینا تھے لگائے اکثر
دست صنعت کے تھے گلدستہ تر ہاتھوں میں
پیشکش لیکے جو آئے تھے دکھائے سب نے
تب کیا جانبِ صنعت یہ شکرانہ ادا
کہ اسی سیٹھ میں پنا بھی ہے بازار کھلا
کام سب تیری بدولت ہیں ہمارے چلتے
ریل کا تختِ سلیمان ہے اڑائے جاتا
اور کلیں کر رہی جو جو ہیں طلسمات یہاں

تھی نہ بات ان کی ابھی ختم پہ آنے پائی
لوگ کچھ سامنے سے اور نمودار ہوئے
جیسے تختہ ہو گئی بوستاموں کا آنا
خاک پر تھے گل ایجاد لگاتے آتے
دستکاری نے کیا لعبتِ چین تھا ان کو
چشمِ صنعت جو تھے کام بنائے اکثر
تھے لئے نذر نہ کچھ گوہر و زہر ہاتھوں میں
عرض اگر سر تسلیم جھکائے سب نے
کر چکے شاہ کا جس دم حق نذرانہ ادا
اے شہر امن ہمیشہ ہو یہ دربار کھلا
دستکاری کے عملِ تجھ سے ہیں سارے چلتے
تار ہے غیب کے اخبار سُنائے جاتا
کارخانے جو پڑے چلتے ہیں دن ات یہاں

اے شہر امن یہ تیری برکت ہے ساری
تیرے زوروں کی کلوں میں حرکت ہے ساری

دولت شکر یہ کرتی ہے

زیرِ تقریر پہ تھے کر رہے مینا کاری
ہو گئے سب در و دیوار طلائی یکسر

سلسلہ صنغ و صناعت کا ابھی تھا جاری
دفعۂ چاندنی دربار پہ چھائی یکسر

چاندی سونے کے بسنے لگے دربار میں بھول
 آئی لیکن عجب اہل نواز داد سے آئی
 جانے من بھی فقط چادر مہتاب اُڑتی
 پر سراپا تن نازک تھا طلائی اُس کا
 باغِ فرگس دمِ رختار کھلاتی چلتی
 لینے دیتی نہ بھی شوخی اُسے آرام ایک جا
 پڑ گئی دھوم کہ دولت کی پری آپہنچی
 حسنِ شکرانہ میں یہ نعمۂ دلکش گائی
 کئے کی مثالِ پنجش اور کوئی کھالِ پنجش
 خوش ہے دوپیسے کی مزدوری میں مزدور
 اپنا سر پٹیتی ماتحتوں سے زبردستی ہے
 مار کیا تاب جو بل مارے سرِ مور ذرا
 ہاتھ میں ست درازی کے جدا شافوں سے

جیسے بڑے کبھی گلبن سے ہیں گلزار میں بھول
 کہ پری اتنے میں ایک دوش بچا سے آئی
 حسنِ رفتار سے تھی سرعتِ سیاب اُڑتی
 حسن تھا اگرچہ حقیقت میں ہوئی اُس کا
 ٹھوکر وں میں تھی زروِ سیم اُڑتی چلتی
 تھی نہ تھمتی روشِ گردشِ ایام ایک جا
 جب کہ وہ غیرتِ نورِ سحری آپہنچی
 سامنے بادِ شہِ امن کے جس دم آئی
 کہ جہاں تیری بدلت ہے ہر ایک حالِ بخش
 گھر مہاجن کا جو لاکھوں سے ہے محسوس
 زیرِ دستوں کو تیرے سایے میں خوش مستی ہے
 ایک کا ایک پہ چل سکتا نہیں زور ذرا
 بند و بستوں کو ضرر کچھ نہیں نقصانوں سے

م

ہے تیرے نظم و نسق سے جو نظمِ امِ عالم
 شربتِ عیش سے معمور ہے حِسامِ عالم

فتنہ انگیزی عذر و آشوب کی مکمل

کہ عیاں جانبِ صحرا سے ایک آواز ہوئی
 اور ہوا ہو گیا بکھر گل و گلزار کا رنگ
 نعم و افکار سے ہاتھ اپنے اٹھائے بیٹھے

تھی پری زمرِ مذکور سے دسزار بھی
 وہ صدا سنتے ہی فتنہ ہو گیا دربار کا رنگ
 اہل دربار کہ تھے بزمِ جمائے بیٹھے

مضطرب ہو کے ہر ایک جانب آواز چلا
چلتے چلتے غرض ایک ٹٹ نط آیا ہمیں
یعنی ایک مرد دلاور ہے سر کوہ کھڑا
تم تھائے ہوئے ہیں صو پے رخصت اس کے
بدن اینٹھا ہوا ابھرا ہوا سینہ اس کا
خسرو امن سے ہے بسکہ بندھی لگا اس کی
نیزہ ٹیکے ہوئے ہے سب نظر ڈال رہا
اور یہ کہتا ہے کہ اے امن کے بندو آؤ
آؤ جلد آؤ کہ ہم مرد بستائیں تم کو
کر دیا سلطنت امن نے بزدل ہے تمہیں
رات دن رہتے ہو آرام کے سامانوں میں
خواب غفلت میں ہو تم پاؤں سپارے سوتے
جرات حوصلہ سے تم کو رہا کام نہیں
خسرو امن کی خدمت میں میں چمتے ہو
اس عمل نے ہے جانی میں کیا پیر تمہیں

مخ دل میرا بھی کھولے بر پر واز چلا
ماجر ا دیدہ عبرت نے یہ دکھلایا ہمیں
اور سر کوہ ہے گرد اس کے ایک انوہ کھڑا
لال انگارے ہیں دو دیدہ خوشنوار اس کے
کہ سدا مشق مشقت ہے قرینہ اس کا
کو داگھوڑے سے ہے اور کپڑے ہے خود ہال مسکی
ہر نظر سے ہے نثرارت کے نثر رڈال رہا
آؤ اے احت و آرام پسندو آؤ
جام جرات خم ہمت سے پلائیں تم کو
نہ رکھا عیش و طرب کسی قبل ہے تمہیں
دن کو گلشن میں اور شب کو بستانوں میں
ہمت و عزم بھی ہیں ساتھ تمہارے سوتے
ملک میں زور ترقی کا کسین نام نہیں
رات دن بیٹھے انیمی کی طرح جھومتے ہو
کیا بے قید ہے وابستہ زنجیر تمہیں

آؤ اس قید سے تمہیں آزاد کروں
زور بازو سے تم آفاق کو تسخیر کرو
عیش نے ہی جو تمہیں جاں سے بخور کیا
کر دیا امن نے جو عیش کا پابند تمہیں
میں جہانگیر و جہانگرد کرونگا تم کو

اور ابھی صاحب اقبال خدا داد کروں
دست تقدیر کو وابستہ تدبیر کرو
ضعف دل نے تمہیں ہمت سے محروم کیا
اور کیا بستر راحت کا ہے پویند تمہیں
مرد اگر ہو تو جو انمرد کرونگا تم کو

ماپ ڈالو گئے نہیں قدموں کے میدانِ جہاں
 اپنے ہر کام کو آرام میں کھویا تم نے
 میں بھی خاک سے افلاک پہ پہنچاؤنگا
 گرچہ تھا خلق میں آشوبِ جہاں نام اُس کا
 پر نشترِ امن کے بندے تھے جو بھولے بھالے
 گرم و سرد اُن پر مانہ کے نہ گزری تھے کبھی
 لایا تھا بیچ میں اپنے نہ کبھی غدار نہیں
 اس کی جانب قدمِ شوق بڑھائے سب نے
 یعنی ہم تابعِ فرماں ہیں جدھر جائیے آپ
 ان میں یہ کوتاہی فہم جو پائی اُس نے
 پہلے نزدیک اشارے سے بلایا اُن کو
 کہ شیرِ امن سے ہو شہر نہ خالی جب تک
 اور مدد اس میں تمہاری بھی ہے کارِ ضرور
 سبے بینوں پر رکھے ہاتھ کہ ہم حاضر ہیں
 یہ سخن سنتے ہی ایک قہقہہ مارا اُس نے
 دوڑ کر جست کی اور زینت رہوار ہوا
 شہر کی سمت کو رخ اس نے ولیرا نہ کیا
 ہل گئے صدمے جس کے طبقِ خاک تمام
 یہ بلا شوقِ قیامت جو نمودار ہوا

ایک کر دو گئے ابھی نشترِ سیانِ جہاں
 ملک کا نام زمانہ میں ڈبویا تم نے
 مثلِ خورشیدِ جہاں میں تمہیں چمکاؤنگا
 فتنہ انگیزیِ عالم تھا سدا کام اُس کا
 گنبدِ امن میں آرام سے سونے والے
 گود سے ایسے راحت کے نہ اترے تھے کبھی
 اور نہ تھی سلطنتِ امن کی کچھ قدر نہیں
 اور اوسے تسلیم جھکائے سب نے
 جان تک دینے کو حاضر ہیں جو فرمائیے آپ
 مگر کے ہاتھ کو دی اور رسائی اُس نے
 جھٹک کے پھر کان میں بھیجتے سنایا اُن کو
 ملک پائیکا تمہارا نہ بجالا جب تک
 چاہئے میری رفاقت تمہیں ایک بار ضرور
 اور جہاں آپ قدم ماریے دم حاضر ہیں
 اور کیا شہر کی جانب کو اشارا اُس نے
 آتشِ فتنہ سے عالم پہ شرر بار ہوا
 ایسا لالکار کے ایک نعرہ شیرا نہ کیا
 تھر تھرانے لگے نہ گنبدِ افلاک تمام
 دفعۃً چونک کے میں خواب سے بیدار ہوا

گھل گئی آنکھ تو تھی شامِ سیاہِ نامِ وہی

وہی آزاد تھا اور کر سئے آرامِ وہی

مثنوی موسوم بہ داد انصاف

ہو کے بے خواب ٹھا بستر آرام سے ہیں
اس کے بیدار سے بہیم تھا دل زار مرا
اور خب تار کی تنہائی سے تنگ آیا میں
اور کتب خانہ خیالات کا کھولا میں نے
یا کہ روداد زمانہ کا ایک آئینہ تھا
عہد آئندہ کی تصویریں لگا تی تھیں بہت
ماضی و حال کے احوال رقم تھے اُن میں
اور نسبت مول کے پھیلے ہوئے طومار بہت
کہ عجب مخزن اسرار پشے خامر ملا
خاندان شہ انصاف کے تھے حال اُس میں

تھا دل آشفستہ جو شب گردش یام سٹیں
دل تھا حق تلفیوں سے چرخ کی بنیر مرا
جاگتے جاگتے وحشت سے جو گھبرا یا میں
جیب میں عقل کی کنجی کو ٹولا میں نے
وہ کتب خانہ کہ جو علم کا گنجینہ تھا
کتب عہد قدیم اُس میں سجائی تھیں بہت
بہت اوراق پریشیاں کہ ہم تھے اُن میں
تھے پڑے دفتر تاریخ کے اخبار بہت
انہیں اوراق میں ایک مجھ کو نسبت ملا
سرسبز تھے رقم احوال نکو فال اُس میں

چہرہ پر باپ کے روشن تھا سو آپ اُس کا
حق واقع کا بھی رشتہ تھا یہیں سے ملتا
رفتہ رفتہ یونہی ایمان سے جا ملتا تھا

صدق روشن گم اتفاق میں تھا باپ اُس کا
تھا نسب اُس کے بزرگوں کا یقیں سے ملتا
ہر شرف کا غرض اس گھر سے پتا ملتا تھا

اور امانت کے کلیجہ کا جگر بند تھا وہ
حسن اعمال نے گودوں میں کھلایا تھا اُسے
ملکِ دل خور می و عیش سے آباد ہوئے

مان کی جانب میں یانت کا تو فرزند تھا وہ
دانش و داد نے دود اپنا پلایا تھا اُسے
اُس نے جب ہوش سنبھالا تو بہت شاد ہوئے

تاکہ دنیا کی بھی کچھ عقل ذرا آئے اُسے
علم نے اُس کو ہر ایک راز سے آگاہ کیا
اور فضیلت نے کیا ناعب مطلق اپنا
کہ معزز کسے عزت سے فرمائے اُسے

بعد ازاں مکتب تہذیب میں سب لائے اُسے
یہاں ادب نے اُسے شائستہ و نخواستہ کیا
کر چکے علم و ادب جب کہ ادا حق اپنا
ملک القدس کے دربار میں تب لائے اُسے

ایسے آداب سے تسلیم بجا لایا وہ
اور ہر ایک حاضر دربار رضا مند ہوا
باندھ کر دستِ ادب رو برے شاہ آئے
اور تجھے عالم بالائی جہاں بنانی ہے
ملتجی آج فقط مہر کرم کا ہے ترے
ایسا چمکائیو تو تیرا قبال اس کا
حکم ہو اس کا رواں کشور انسانی میں

سرور بار بصد حسن و ادب آیا وہ
کہ شرِ قدس اُسے دیکھ کے خورسند ہوا
دونوں ستاد و اتالیق تھے ہمراہ آئے
کی یہ پھر عرض کہ تو خسرو نورانی ہے
چاندیہ آج حکومت پہ جو چمک رہے ترے
اے شرِ قدس ہے مد نظر حال اس کا
کہ فزوں مہر سے ہو جاوے درختانی میں

اور قیافہ نے بیان اُس کے سب طوار کئے
خلعت و عزت و عظمت سے سرفراز کیا
اور دعاؤں سے کیا صاحبِ فواج اُسکو
اور عطار دے دیا ہاتھ سے خامہ اپنا
اور روانہ بسوے کشور ایجاد کیا
ستم و جور کی ہے چھائی ہوئی رات تمام
اور خرابات جہاں عدل سے معمور کرو

حالِ علم و ادب نے جو سب ظہار کئے
خسرو قدس نے تب مور و اعزاز کیا
اپنے اعزازِ دوامی کا دیا تاج اُس کو
مشتہی نے دیا عزت کا عمامہ اپنا
لقب خسرو انصاف اُسے ارشاد کیا
کہ ہو ملک فنا ہے جو خرابات تمام
جا کے آفاق کو تم نور سے پُر نور کرو

اور نظر سلسلہ شوق سے پابست ابھی
نیند نے بند کئے دیدہ بیدار میرے
کہ جو تھے دل میں خیالات ہی اب میں تھے
دفعۃً ایسے بیابان میں لایا مجھ کو
وسعت فرض محالات بھی پہنچے نہ کبھی

نغمہ سیر خیالی تھا سر دست ابھی
کہ ورق چھوٹ پڑا ہاتھ سے یکجا میرے
چھائے ایسے تصور دل بیتاب میں تھے
اس تصور نے غرض میرے اڑایا مجھ کو
وہم شاعر کی جہاں بات بھی پہنچے نہ کبھی

اور تمام ارض و سما مطلع انوار ہوئے
کہ جہاندار عیسیٰ عالم کو جہاندار اُترا
چلی جاتی تھی نگہ دیدہ جسرانی میں
اور ہوئی اس کے تجلے کی سمائی نہ کہیں
مگر اس پردہ میں وہ رنگ نکالے اُس نے
اور ترقی ہوئی ہر ل کی توانائی کو
بند بست اُن کو جو درکار تھے فرمائے وہاں
اور ہوئے نظم و نسق ماہ سے تا ماہی کے
معتدل ہو گئی ہر پہر کی ہوائے عالم
اور کھڑی ہو گئی انصاف کی میز اُن کے
نیک بد جو ہوں مانہ میں و کھل جائیں ابھی
رعب سے شاہ کے پر بات کر سکتے تھے
اور پیادائے دانش کا بھی تھا شیر اُس نے
حسن خلق اُس کا مگر بچوں سا ہنستا تھا پڑا
اس کے جوہر کا مگر تھا یہ کچھ اسرار عجیب

۲
ایک بیک عدل کے آثار نمودار ہوئے
بقہ نور کا ایک تخت ہوادار اُترا
تھا جلال سکے یہ چہرے کی درخشاں میں
تاب جب تابش انصاف کی پائی نہ کہیں
۲
پردہ ابر کرم سامنے ڈالے اُس نے
کہ ایک آرام سا آنے لگا بینائی کو
عالم قدس کے سب پاک نہاد آئے وہاں
جب کہ سماں ہوئے سب بزم شہنشاہی کے
تو شہر عدل ہوا جلوہ نمائے عالم
ضعف قوت بڑھے انداز سے یکساں آگے
رات دن کو یہ ہوا حکم کہ تمل جائیں ابھی
یا سُن اُمید کھڑے سامنے منہ تکتے تھے
فی تھی ماں باپ کے و صفوں سے جو تاثیر اُس نے
چہرہ پر رعب خدا واد برستا تھا پڑا
تھائے ہاتھ میں ایک تیغ شرابا عجیب

<p>کاٹ میں بال کا چھوٹے پس پیش ذرا دوسرے ہاتھ میں فانوس فروزاں تھالے گرچہ فانوس میں تھی اس کے ہر ایک بات نئی یعنی اصلیت اشیا کو دکھا دیتا تھا</p>	<p>اور نہ ہو قول میں تل بھر کا کم و بیش ذرا یا پے جو رستم آتش سوزاں تھالے نور فانوس میں پر تھی یہ کرامات نئی نیک بد صورت آئینہ بتا دیتا تھا</p>
---	---

<p>الغرض خسرو انصاف کا دربار کھلا حق و اثبات چپے راست وزیر اسکے ہوئے مصاحت باندھے ہوئے عہد فاقہ اُس سے قدر ایک سمت کو جوں شعلہ بھڑکاتا تھا یمن اقبال نے چمکایا و قار دربار</p>	<p>دل پہ عالم کے در دولت پیر اگھلا ذہن و ادراک قیاس آکے مشیر اسکے ہوئے ہوتی تدبیر نہ ایک آن جدا تھی اُس سے رحم پر آب کرم آکے چھڑک جاتا تھا اور ہوا عظمت و شوکت پہ مدار دربار</p>
--	--

<p>کر چکے نظم و نسق آکے جو سب تیاری کہ جو مظلوم ستم دیدہ بچارے ہوویں برسرِ ادنیٰ انصاف بھی لائیں نہیں</p>	<p>تو ہوا پہلے یہ دربار سے فرماں جاری اور وہ حق تلفیوں سے ظلم کے مارے ہوویں تاکہ تحقیق سے ہم داد کو پہنچائیں انہیں</p>
---	--

<p>شرِ انصاف کو بیات جو منظور ہوئی کی پر اس حکم نے دنیا تہ و بالا گویا یاس و آس کے اور شادی و نا شادی کے تو جسے دیکھتی تھی اُس کو لگی تھی اپنی تھے جو حق تلفیوں سے لوگ الٹا کر تمام</p>	<p>اشتہاروں کی زباں سے میں مشہور ہوئی بلکہ گھر گھر عجب ایک تہلکہ ڈالا گویا تھے جو خوف و خطر آبادی و بربادی کے پڑ گئی تھی غرض ایک ایک کو اپنی اپنی آن کی آن میں مظلوم و ستمگار تمام</p>
---	--

ہو گیا حشر کا میدان بیابان جہاں

ہوئے اس طرح فراہم سر میدان جہاں

اور ہوا خلق میں شہرت کی زباں طاری
تاکہ حکام میں بھی عام سے ہو خاص الگ

دوسرا حکم ہوا اور وہاں سے جاری
کہ جدا ہوویں ہر ایک فرقہ کے شخاص الگ

تو گریباں ستم دست اجل میں آیا
حکم دربار سے اس طرح سے اظہار ہوا
نقد یا جنس جہاں ہو تو افلاک کوئی
اور جو کچھ پاس سند ہو تو دکھا دیئے ابھی
کھلے اسناد و قرائین کے طومار بہت
اور مطالعے و مرقعین تھے بہ آئین سلف
سینکڑوں مُہر و شہادت کے حوالے آئے
تو وہیں ہاتھ میں فانوس سنبھالی اپنی
اور نہ ہر توڑک و دستہ شاہی دیکھی
تھے کھلے یا کہ دھڑے گوشہ اطراف میں تھے
یا کہیں خوفِ جرائم نے دبایا تھا انہیں
اور مکانوں میں بھی صندوقوں کی خانوں میں چھپے
جمل کے حرف جہاں تھے وہ دھواں ہو گئے
مکر و تزویر کے پرچے وہیں دوڑائے ہم
اور سفارش سے وہاں کارروائی نہ ہوئی
کہ یکایک بدل اقبال سے اوبار ہوئے

جب کہ تعمیل سے حکم عمل میں آیا
پہلے ایک فرقہ طلب برسر دربار ہوا
کہ جو قبضہ میں ہو حقیقت و املاک کوئی
اُس پر دعویٰ جسے کچھ ہو وہ بتا دیئے ابھی
حکم یہ سنتے ہی دوڑے سوئے دربار بہت
آل تمنا تھے بہ طغرائے سلاطین سلف
بہت اسناد و وثائق کے قبائے آئے
پر نظر جب شیر انصاف نے ڈالی اپنی
پھر شہادت کوئی پوچھے نہ گواہی دیکھی
جو جو اسناد کہ درپیشے انصاف میں تھے
انقلابوں نے زمانہ کے چھپایا تھا انہیں
تھے وہیں زیر بغل یا کہ مکانوں میں چھپے
روشنی پڑتے ہی احوال عیاں ہو گئے سب
جلسا زوں نے یہ جب دیکھا تو گھبرائے ہم
آئی دولت بھی مگر اس کی رسائی نہ ہوئی
طرزِ لطیف یہ لیکن سر دربار ہوئے

بے نوائے تھے جو وہ اُمرا ہو گئے سب

جو امیر الامرا تھے وہ گدا ہو گئے سب

الغرض حتیٰ کو پہنچ کر جو یہ حقدار آئے
کہ خطابوں نے بنایا تھا سرفراز نہیں
ان میں وہ لوگ کہ جو صاحبِ دیا رکھی تھے
خاندانوں کی بزرگی نے بڑھایا تھا انہیں
سب سے پہلے وہ قدم مار کے آئے گے
پر جب انصاف نے فانوس اٹھائی اپنی
تو وہ گناہ جو عالم میں سدا خواہ رہے
کارناموں سے رہے غلط میں گناہ سدا
اب وہ منہ پر تو اعزاز سے چمکانے لگے
پر جو دربار میں آئے تھے سرفرازی سے
لائے تدبیر کو مطلب کی گذارش کے لئے
حق کے آگے نہ مگر پیش کوئی بات گئی
اُن کے بعد اور ایک ابوہ نمودار ہوا
تھے بہت زیرِ کلہ سخت سدا لئے
سینہ زوری نے انہیں سنبھلے تھے زور دے
سینکڑوں بادۂ دولت کے تھے مخموران میں
بادشاہوں کے بھی دربار میں تھی اہ انہیں
ظلم گردوں کی طرح چھائی تھی بیدا و بکی
اُن کے مظلوم کہ تھے ظلم کے مارے سارے

تو وہ انصاف طلب برسرِ دربار آئے
دیتی القاب تھی سرمایۂ اعزاز انہیں
تن چمکائے ہوئے خلعتِ زر تار بھی تھے
یا کہ دولت کی ہواؤں نے اڑایا تھا انہیں
حکمِ فخر جو لائے تھے بڑھائے آگے
چاندنی پر تو انصاف نے چھائی اپنی
اور گئے کار نمایاں تو وہ بے کار رہے
کامِ سب ان کے جہاں میں گئے ناکام سدا
اُن کے سر پر علمِ اقبال کے لہرنے لگے
اب بھی باز آئے وہ ظالم نہ فسون ساری سے
چٹھیاں لائے بہت اپنی سفارش کے لئے
اُن کی جو بات تھی آخر وہ خرافات گئی
پر عجب شان سے وہ واردِ دربار ہوا
اور بہت زیرِ بغل خنجر بیدا لئے
شورشِ پستی نے انہیں تھے سر پر شور دئے
اور بہت زورِ حکومت سے تھے مغرورین
اور ہوا خواہ سمجھتا تھا ہر ایک شاہ انہیں
کسی دربار میں سنتے تھے نہ فریاد اُن کی
عدل کی آس پر بیٹھے تھے بچارے سارے

جو ستم اُن پہ چھٹے تھے وہ جتا سکتے نہ تھے
 پر جو تھا خسر و انصاف کا دریا یہاں
 یا تو ہر عمر میں تھے وہ ستمگار آگے
 روٹتی پڑتے ہی آئینہ ہوئے حال اُن کے
 دستِ ظلم اپنے ستمگار اٹھا بھی نہ سکے
 قہر سے کی جو شہر عدل نے یکجا نگاہ
 کہ جو تھے شیر کی کھالوں میں اکڑتے آئے
 جامے جل جل کے وہ سب نئے سرخاک گرے
 رعب سے خسر و انصاف کے تھمرانے لگے
 شہر انصاف نے اُس دم یہ صدا دی سب کو
 کہ جو زیران سے تھے اب تک دیران پر ہیں

نب تک نائنہ پر درد کو لا سکتے نہ تھے
 اور نہ تھا رو و رعایت سے سحر کا یہاں
 یہاں مگر ہو گئی مظلوم دل افکار آگے
 خود بخود کھل گئے سب قزاعا اُن کے
 بلکہ جو ظلم کئے تھے وہ چھپا بھی نہ سکے
 ہوئی اس طرح سے اُن سب پر شر بارِ نگاہ
 اور ہوا سے دم رفتار جھگڑتے آئے
 اور نفاقوں سے نکل کر جو وہ بیاک گرے
 سب کی سب صورت رو باہ نظر آنے لگی
 اور منادی نے وہیں آگے ندا دی سب کو
 اور سدا وہ صدا صوت شیران پر ہیں

لوگ کچھ زمرہ اغراض میں وہاں اور آئے
 علما و فضلا و بلغا تھے سارے
 تھے بہت سبب و عمامہ شالی رکھتے
 روٹیاں مسجد میں کھاتے تھے دن ات پڑے
 سر پہ دستارِ شیخت کی بہت بھاری تھی
 تھے مگر ایسے بھی اُن میں زدہ احوال بہت
 شمعِ حال تشِ تصنیف میں گھلتے تھے سدا
 تھے پڑے بند قلمدان میں ناکامی کے
 پر جو نا منصف دہرنے مارا تھا انہیں

پر جو دیکھا تو نظر اُن کے عجب طور آئے
 اور بھرے سر میں فضیلت کی ہوا تھے سارے
 اور بظاہر تھے مٹاپے کی بحالی رکھتے
 مفت خوری میں بسر کرتے تھے اوقات پڑے
 اور شکم خالی کتابوں کی ایک الماری تھی
 کہ لکھ کو ب مشقت سے تھے پامال بہت
 پھٹے کاغذ کی طرح خاک میں اُرتے تھے سدا
 اور نکلتے تو ہفت ہوتے تھے بدنامی کے
 سخت دشوار زمانہ میں گزارہ تھا انہیں

غرض انصاف کے جب پر تو اڈالا اپنا
مل گئے خاک میں اعزاز خیالی سب کے

رنگ تب مغنے اصلی نے نکالا اپنا
جل گئے خلعتِ زرینہ و ثنالی سب کے

زمرہ علم میں کچھ اور بھی اشخاص آئے
بسکہ وابستہ طاعات عبادات تھے وہ
فقر نے مکر کی تصویر بنایا تھا انہیں
دیتے جا رہے تھے خاک تھے جاؤں کے
سب کے سب ہاتھوں میں تسبیحیں ہلاتے آئے
کیا پیری تے تھاروشن رُخ نورانی کو
پارسائی کے دیمچے تھے زمانے میں انہیں
تھے مگر اس پہ بھی ایک ایک سے آگے جاتے
کہ زمانہ کا کوئی لطمہ نہ پایا ہم نے
آئے دنیا کے نہ افسوں فسانہ میں کبھی
آج سجادہ نشینی کا ہو اعزاز ہمیں
جب کرامات یک ایک ایک نے سنائی اپنی
معرفت شمعِ فروزاں لئے یکساں آئی
مکر و تزویر ہوئے اُڑنے کے ہوائی سارے
جو یہ کہتے تھے کہ دنیا سے جو کچھ ہم نہیں
یہاں جو دیکھا تو حریف سے وینا نکلتے
یعنی کچھ عورتیں کرتی ہوئی زار ہی دوڑیں
بچے کچھ کہتے ہوئے دوڑے کہ بابا بابا

زہد و تقویٰ و اُردات سے باخلاص آئے
خلق میں قبلہ حاجاتِ مرادات تھے وہ
خرقہ پوشی نے مرقع میں سجایا تھا انہیں
چھتیریاں سر پہ لگائے تھے عامہ اُن کے
عرض حال اپنے وظیفوں میں سُنا تے آئے
اور نشانِ سجدہ کے چمکاتے تھے پیشانی کو
تا بدربار بھی سو عذر تھے اُنے میں انہیں
اور یہ کہتے سوسے دربار تھے بھاگے جاتے
اور کچھ آرام نہ دنیا کا اٹھایا ہم نے
اور تھوئے عیش سے اُفت نہ زمانے میں کبھی
کیجئے تاجِ کرامت سے سرفراز ہمیں
شہ انصاف نے فانوس ہلائی اپنی
کرتی صلیتِ ہشیا کو نمودار آئی
کھل گئے زہدِ خدائی و ربائی سارے
بلکہ عورت کا کبھی ہم نے سُنا نام نہیں
اُن کے پہچاننے والے بھی وہیں نکلے
نمان و نقفہ کی طلبگار بچاری دوڑیں
پریشہ ماٹے کھڑے تھے کہ کہیں کیا بابا

علم کی ذیل میں کچھ لوگوں نے آنا چاہا
 سند علم تو کچھ رکھتے نہ تھے ساتھ اپنے
 قتل مضمون تھا زمانہ میں فقط کام اُن کا
 گرچہ شورش کے قدم آگے بڑھائے ہوئے تھے
 الغرض بڑھکے وہ جس دم سرد بار آئے
 اور یہ چلائے کہ ہے علم سے کیا کام نہیں
 کوئی تصنیف ہو اُن کی تو دکھا دیوں ذرا
 سنکے اس بات کو اُن کے بھی ہوئے کان کھڑے
 سوچ کر ہوش و حواس اپنے سنبھالے آخر
 اور یہ کی عرض کہ لکھنا تو نہیں جانتے ہم
 یہی باعث ہے کہ فرصت نہیں کیا اُن میں
 ورنہ تصنیف کریں ہم تو وہ تصنیف کریں
 سن کے اس بات کو ایک مقدمہ مار سب نے
 کیا خرافات اُٹھالائے ہوئے جاؤ انہیں

بزم اعزاز میں رنگ اپنا جمانا چاہا
 خونِ معنی سے تھے البتہ بھر سے پاتے اپنے
 نکتہ چینی سے نہ نامشہور جہاں نام اُن کا
 روسیاہی میں نے منہ کو چھپائے ہوئے تھے
 لوگ انہیں دیکھتے ہی جوش میں یجبار آئے
 مشغلے اور ہی کچھ ہیں سحر و شام نہیں
 ہو جو تقریر کا دعوے تو سنا دیوں ذرا
 سامنے تخت کے گھبرائے ہوئے اُن کھڑے
 تھے بغل میں کٹی کا غزوہ لکالے آخر
 پر مٹانے میں ہیں آندھی کو بھی کم مانتے ہم
 اس مرض نے ہے نہایت کیا جبران میں
 کہ اُسے آپ بھی گرو کھجیں تو تعریف کریں
 اور کہا کاغذوں پر کر کے اشارہ سب نے
 اور کبھی برسرِ دربار نہ پھر لاؤ انہیں

لوگ اتنے میں بانہوہ کثیر آئے بہت
 تھے کچھ آپس میں کرتے ہوئے تھرا آتے
 اہل سیف اہل قلم شامل حال اُن میں تھے
 اُن کا غل جبکہ بہت حد سے زیادہ پہنچا
 کہ ادب شاہ کا اتنا ذرا فراموش کرو
 اہل سیف آگے بڑھے تیغ زباں تو لے ہوئے

اہل دربار انہیں دیکھکے گھبرائے بہت
 غل مچاتے ہوئے سب سوئے دربار آتے
 اور بہت تجربہ کار اہل کمال اُن میں تھے
 شہ کا تب حکم یہ ایک لیکے پیادہ پہنچا
 کیوں ہیں غل تنا مچاتے نہیں خاموش کرو
 پیشقدمی کے لائل سے علم کھولے ہوئے

ساتھ ہی اہل قلم بولے پر امکان نہیں
جاہلیت کی حیرت کو نہ یہاں لاؤ تم
صاحب تجربہ پران میں جو شامل تھے بہت
یہج میں آن کے چٹائے کہ جانے نہ رہیں
کہ بھی سر بھی ہیں میدان میں لٹائی والے
کیا پتہ ان سے تمہارے جو قدم پیچھے ہیں

اور یہ آئین ادب میں کبھی شایان نہیں
علم سے جہل جو بڑھ جائے تو بڑھ جاؤ تم
اور وہ تیز عہدات میں کامل تھے بہت
گر قدم تم سے بڑھاتے ہیں ٹھکانے دو نہیں
ملک کے نام کو سرحد کے بڑھائی والے
سو سے دریا تم آگے چلو ہم پیچھے ہیں

حکمِ نیک سر و انصاف نے ایک اور دیا
یعنی جو لوگ کہ غواہانِ مناصب ہوویں
سائنس سر و انصاف کے سرپائیں ابھی
حکم دربار یہ سنکر بہت اشتیاق سے چلے
ان میں لوگ کہ تھے دعوایہ از انہیں
خلعت کہنے بزرگوں کی سجاتے آئے
پردہ دربار میں جب آئے عدالت کے لئے
تو شر عدل نے فانوس کو چمکایا دیا
کھل گئی ان کی حقیقت تو وہ گھبرا کے ہٹے
خسر و عدل نے تب غور سے سب کو دیکھا
جس قدر اہل شرافت نظر آئے ان میں
پاس بلوا کے بہت موردِ اعزاز کیا
پر ایک بنوہ کثیر ان میں جو نا کام ہوا
شور و سزا دے کرنے لگا آفت برپا

اشتہاروں نے وہیں آگے آگے دور دیا
اور لیاقت سے مناصب کے بنائے گئے
اور جو اسنادِ لیاقت ہوں وہ دکھائیں ابھی
کچھ بے سزا نہ چلے کچھ بعدِ اخلاص چلے
قد و قامت کی وجاہت سے بھی تھے ناز نہیں
اور خطاب ان کی کتابوں سے سُنتے آئے
اور بڑھ لاف گراف ان کی کالٹ کے لئے
تو تحقیق نے بھی پر قزاق کھلایا دیا
اور جو تھے آگے بڑھے پیچھے کو شرمناکے ہٹے
پہلے ایک ایک کے حسب اور نسب کو دیکھا
اور پھر اوصافِ لیاقت کے بھی پائے انہیں
اور انہیں منصبِ عالی پر سزا دیا
کام کا اُس کے نہ مقصد یہ سزا شام ہوا
کیا دربار میں ایک شورِ قیامت برپا

لیکن اس بات سے خوش میرا دل زار ہوا
میرے اجاباً ان اشخاص میں تھے خاص ہوئے

ایسے چلائے کہ میں چونک کے بیدار ہوا
کہ لیاقت سے جو تھے منتخب اشخاص ہوئے

۴ سامنے پیچھتے تھے دشمن بدکیش میرے
رہے ناکام سب اعدائے بداندیش میرے

شہنوی موسوم بہ وداع انصاف

اور رنگ چمن میں گل و گلزار کا بدلا
اور تارے لگے ڈوبنے افلاک کے اوپر
اور چاند پہ جانوں کو لگے وارنے سارے
انگڑاٹیاں لینے لگیں شاخیں بھی چمن میں
لی خاک پہ یہاں مست خرابات نے کروٹ
اور بیٹھا مصلے پہ زمیں چوم رہا تھا
آزاد جو تھا صرف سخن کر رہا جان کو
اور وقت سحر نکلا ہوا کھانے کو گھر سے
اور ہو کوئی دم جان پر آزار شگفتہ
اور قلزم افکار کی میں لہر سے نکلا
اور خلق ہے دوڑی ہوئے صحرا چلی جاتی
اور پوچھا ہر ایک شخص سے اس ازبنا کی
اس پردہ حیرت کو اٹھایا نہ کسی نے

جب طور دم صبح شب تار کا بدلا
شبم نے گہر فرش کئے خاک کے اوپر
چلنے کو ہم آنکھ لگے مارنے سارے
آئے جو صبا لوٹ کے سرین سمن میں
لی صبح کے پہلو پہ اُدھر رات نے کروٹ
زاہد جو ایسی کی طرح جھوم رہا تھا
بیدار ہوا سن کے مؤذن کی اذان کو
ہشیار ہوا نالہ مرغانِ حشر سے
تا فیضِ حشر سے ہودل زار شگفتہ
پر طائر دل جب قفسِ شہر سے نکلا
دیکھا کہ سوئے شت ہے دنیا چلی جاتی
حیرت ہوئی میرے دل بیتاب و توان کو
پردل کا خلش تھا سو مٹایا نہ کسی نے

آخر کو نظر عقل نظر باز سے لے کر
پابند برفستار زمانہ ہوا میں بھی
جب شہر کے میدان سے ہم دوڑتے
دیکھا کہ سر راہ کچھ اشجار ہرے ہیں
ایک نناہ اُسی جا بے خاک ہے بیٹھا
اور سامنے کچھ باندھے ہوئے ماتھے کھڑے ہیں
وہ آگے گئے پاؤں پہ بادیدہ تر ہیں

اور شوق کے بازو پر پرواز سے لیکر
ساتھ اُن کے سونے دشت روانہ ہوا میں بھی
اور سامنے راوی کے کنارے نظر آئے
دامان تمنا کو طراوت سے بھرے ہیں
بیٹھا ہے مگر سخت غضبناک ہے بیٹھا
کچھ برہنہ سراور کہ جو ساتھ کھڑے ہیں
اور عفو جرائم کو جھکائے ہوئے سر ہیں

پیر شاہ نے تلوار کو کھولا ہے کمر سے
دیکھی جو یہ روداد تو حیران ہوا میں
ایک ایک سے پوچھا کہ ہوا واقعہ کیا ہے
وہ ہو رہے سب مضطرب و ناچار تھے ایسے
آتی تھی کسی میں نہ نظربات کی حالت

اور افسر شاہی کو بڑھا ڈالا ہے کمر سے
جب حد سے سوادل میں پریشان ہوا میں
اور شہر میں کیا چل گئی وحشت کی ہوا ہے
اور اپنی مصیبت میں گرفتار تھے ایسے
تھی بات کی حالت نہ اشارات کی حالت

ایک پیر کہن اتنے میں نزدیک تر آئے
یہ عقدہ سربتہ رکھا سامنے اُن کے
یعنی کہ ہے یہ شاہ شہنشاہ مروت
اب اس نے جو دیکھا کہ ہے نگاہ دیریاں کا
دنیا میں ہے بگڑی ہوئی ایک ایک کی تبت
اس واسطے سب جاہ و چشم چھوڑ کے اپنا
ہے چھوڑا سب مملکت و مال کو ان کے

اور ہوش بھی کچھ اُن کے ٹھکانے نظر آئے
کھولا یہ معھے لبِ ناکام نے اُن کے
تھی اس سے زمانہ میں رواں راہ مروت
ایماں ٹھکانے نہ رہا اہل جہاں کا
اور خوار ہوئی بد سے فزوں نیک کی نیت
اور سلطنتِ خلق سے منہ موڑ کے اپنا
توان کی سنا سونپ کے اعمال کو ان کے

خود گوشتِ عورت میں گزارہ کرے اپنا

سرخاک پر ایک ایک پھاس مارا کرے اپنا

اتنے میں ہوتے توگ پس پیش پریشاں
سب مل کے فراہم ہوئے اور متصل آئے
لیکن تھا ہجوم ایسا بکثرت سے نظر آتا
یارب یہ زمیں سے ہیں کہ افلاک سے آئے

تھے نیک بدان میں بدلِ خویش پریشاں
ہر چند کہ تھے دل میں بہت تشعل آئے
تھا دل میں تصور میرے بیشتر آتا
یا مردہ نکل کر میں تر خاک سے آئے

اس بھیڑ میں آشوب سا ایک دفعہ آیا
جو اس چپاکن میں تھے چپا اس بھیڑ سے
پہنچا تھا میں اب قاصد پر مر نظر کے
دیکھا ہوا استاد ہے سلطانِ مروت
اب کھولتا ہے گنجِ کوہِ ہمت کی کمر سے
گو چشمِ غضبناک سے ہے قبر ٹپکتا
اور کہتا ہے وہ بادِ شہِ معدلت اندیش
بھیجا ملکِ القدس نے تھا مجھ کو جہاں میں
ہو دین ہی اُن کا جو ہے دینِ مروت
آپس کی رفاقت سے چلیں کام سبھوں کے
پیدا جو خدا نے ہے کیا کون دکان کو
کام ایک پہ ہے ایک کا یہاں منحصر ایسا
جس سلسلہ بندی کی جدائی نہ ہو ممکن
بل بل کے زمانے میں گزارے ہو سبھوں کے

یا پانی کا ریا کہ جو تھا موج زن آیا
نرساں میں کھڑا دو تھا وہ پاس ہوئے سب
کی جب کہ نظر شوئی کے شانوں پہنچ کے
کہتا ہے تیاں سال پریشاں مروت
اور اُنھوں میں سے افسرِ شاہی نیا سر ہے
پر لب سے غم و یاس کا ہے زہر ٹپکتا
ایک ایک سے کہ لے فرقہ ناعاقت اندیش
تا خلقِ خا جہ ہونیں میں کہ زماں میں
اور نظمِ دُشمنِ یووسے یائین مروت
نیکی سے ہوں مشہور جہاں نام سبھوں کے
اور عالم اسباب بنایا ہے یہاں کو
اور اُن میں ہم سلسلہ باندھا ہے پھر ایسا
اور ہو کے جدا کارِ روائی نہ ہو ممکن
آپس کی مروت پہ ہمارے ہو سبھوں کے

<p>اُس بن ہو گزارہ نہ زمین کا نہ زماں کا</p>	<p>اور سب کو سہارا ہو خداوند جہاں کا</p>
<p>دعوے میں خدائی کے بغل میں لئے بیٹھے اور اُس پر وہ خود رائی و خود مطلبی اُسکی اور دیکھ نہیں سکتے زمانہ میں کسی کو اور میں نے جو سمجھایا وہ مانا نہ کسی نے خود دیکھنے کے ایک بن جو کچھ انجام میں لکھے اور چاہتے ہیں حق کو مٹانا میرے دشمن جائینگے کہاں بچکے یہیں میں مل ہیں یہ</p>	<p>پر یہاں تو ہیں سب بارہ نوح پئے بیٹھے گدڑی ہوئی گردوں سے گئے دیکھتی اُنکی بنکی یہ سمجھتے ہیں حقائق کی بری کو افسوس کہ رتبہ میرا جانا نہ کسی نے لیکن جو زمانہ میں یہی کام ہیں ان کے ہر چند ہیں آج اہل زمانہ میرے دشمن پر جھٹلتے وہ ان کو جو ہیں سب برسرِ کس یہ</p>
<p>اور اتنے میں ایک طرف تماشا نظر آیا اور شاہ کے پہلو میں بدرد و محن آئے اور درد سے بادیدہ غمناک تھے دونو اور چلتا انہی دونو سے تھا کار مروت</p>	<p>یہ سن کے ذرا ہوش میں ہر بے خبر آیا دو شخص سرِ مگر کہ ولاں دفعۂ آئے سر اپنے جھکائے ہوئے غمناک تھے دونو دونو کی وزارت تھی بہ دربار مروت</p>
<p>نخا اُس کا بڑھاپا مندی پیر بن اُس کا اور آنکھ سے کھ دیکھ نہ سکتا تھا کسی کا اور آنکھوں میں آنکھوں میں گھلا جاتا تھا گویا تمغا سے وزارت پر رقم نام تھا اُس کا</p>	<p>ایک اُن میں کہ تھا برتے ڈھالا بدن اُس کا وہ خلق خدا میں تھا جو غمخوار سبھی کا جس پر کوئی صدمہ ہو وہ غم کھانا تھا گویا وہ رحم تھا اور رحم سدا کام تھا اُس کا</p>
<p>چہرہ پر برستا حشم و جاہ تھا اُس کے</p>	<p>ایک و سر شخص اور جو ہمراہ تھا اُس کے</p>

وہ نسخہ حیات بہ نگاہ عقلا تھا
کچھ توڑے زر نقد کے تھے ہاتھ میں اُسکے
پر ہاتھ میں توڑے جو پُر از دام و درم تھے
عالم میں سخاوت سے کرم اُس کا لقب تھا
دنیا سے کنارہ جو کیا شاہ نے اُس کے
میرے عمل خیر کی یہاں قدر نہیں ہے
ہیں بسکہ بداندیش پے خلق خدا یہ
دل سینہ گندم سے بھی ہے تنگتران کا
اب یہاں سے چلا شاہ خوشنقبال ہے اپنا
دو نو وہ غرض باندھ کے دستِ ادب آئے
بے شبہ فنا کا تو یہاں نام نہیں ہے
افسونِ فسانہ پہ یہ دل دادہ ہیں سارے
حضرت نے جو تجویر کیا عین بجا ہے
پر شاہ سے یہ عرض نکھار ہیں کرتے
گو اہل جہاں پھیرے ہیں رخ راہ و فاسے
پر ایسے بھی موجود ہیں اشخاص جہاں میں
سلطانِ مروت کو ہیں جو شاہ سمجھتے
یہ وضع زمانہ کی خوش آئی نہیں اُن کو
باقی نہیں دنیا کی ہوس کوئی رہی ہے
ہم یعنی کہ ہیں شاہ کے شہِ بندہ احسا
جو جو کہ شرف پائے ہیں اس فیضِ کرم سے

اور تن پہ جو کی غور تو کنہ سے دھلا تھا
صنعتِ خزانوں کے تھے کچھ ساتھ میں اُسکے
خالی تھے بہت اُن میں بھرے رہ گئے کم تھے
اور بار و زارت وہ اٹھائے ہوئے سب تھا
سمجھایا یہ مناسب لہ اکا گاہ نے اُس کے
اور دورِ تجملوں کا تہِ چرخ بریں ہے
دینا تو جہنم میں گیا دیو یہ سنگے کیا یہ
دینے کو جو دیکھیں تو ہے پھینکا بگر ان کا
جو شاہ کا حال اپنے وہی حال ہے اپنا
اور اُن کے دلوں سے سخن زیر لب آئے
یہ نمک فنا قابلِ آرام نہیں ہے
اور دل میں بغاوت پہ یہ آمادہ ہیں سارے
اب یہ رہیں گمراہ یہی ان کی سزا ہے
اور صاحتِ وقت کو اظہار ہیں کرتے
اور باندھے ہیں پیمانِ وفا مکر و دغا سے
اور جو ہرِ اخلاص سے ہیں خاص جہاں میں
اور شاہ کو ہیں سایہ اللہ سمجھتے
ان قدموں سے منظور جدائی نہیں اُن کو
اب اُن کو تمنا جو رہی ہے تو یہی ہے
اور بندہ حق وہ ہے جو ہے بندہ احسا
شکر اُن کے ادا کچھ نہیں ہو سکتے ہیں ہم سے

اور جوش جو ہیں جان ہوا خواہ کے اپنے
اوسنیوں میں جو کچھ ہیں وہ ارمان نکالیں

ایک بار مگر سامنے ہوں شاہ کے اپنے
وہ رنگ میں شکریہ کے اس آن نکالیں

اس شاہ کی تکھونیں بھی تباہک بھرائے
اور پیش نظر پھر گئے حالات ہزاروں
اُن کی جو تمنا ہے تو پھر بات ہے کیا یہ
پر سب کی خوشی جو ہے وہ منظور ہے مجھ کو
شہرت کی منادی سے ہیں سن یا سب نے
اور جلوہ ناجوہرِ اخلاص تھے اُن میں
اور شاہ کے شکریے کو باچشم تر آئے

جب لب پہ یہ اُن کے سخن پُراثر آئے
گزرے دل غمگین پہ خیالات ہزاروں
کچھ بعد تامل کے مگر اُن سے کہا یہ
گور و کتا میرا دل مجبور ہے مجھ کو
دی جب کہ اجازت شہِ فرخندہ لقب نے
پابند مروت جو کچھ اشخاص تھے اُن میں
ہر سمت سے وہ فرقہ بفرقہ ادھر آئے

وہ سب سے مقدم تھا قدم مار کر آیا
اور دور سے تھی نور اڑاتی ہوئی آگے
آغاز کی نسبت بہت انجام تھے روشن
اور انگھیں نہانے کی لگیں اُن کی طرف تھیں
اور دامنِ اُمید تھے پھیلائے ہزاروں
اور دن سے ہوا آنکھوں میں تھا رات زمانہ
ہاتھوں کے دئے سب کے تھے آئے ہوئے آگے
تھے مختلف الوضع جو وہ اصل وطن سے
اور کون ہیں یہ لوگ تھا پہچان نہ سکتا
اور اُن میں مجھے حاتم طائی نظر آیا

ایک فرقہ کا احوال نظر طرفہ تر آیا
دولت تھی زرو سیم لٹاتی ہوئی آگے
شہرت کی دوامی نے کئے نام تھے روشن
امیدیں غلاق کی جو تھیں اُن کی طرف تھیں
تھے اہل جہاں گرد اُمنڈ آئے ہزاروں
تھا ظلم کی ظلمت سے جو ظلمات زمانہ
تھے نور بقا شمع جلائے ہوئے آگے
پُر شکل سے ملبوس سے اور طرز سخن سے
میں اُن میں کسی شخص کو تھا جان نہ سکتا
وہ فرقہ مگر جب میرے نزدیک تر آیا

اور چشم مروت کے نظر کردہ ہیں سارے

سمجھا کہ سخاوت کے یہ پروردہ ہیں مگر

وہ شان ہر شکوہ اور دکھاتے نظر آئے
اور سر پہ بہاؤ ان کے تھے سایہ کئے آئے
اور تاجِ قدا کر رہے تھے جان سروں پر
افسردہ تھا سسرِ فرق و حدِ ناموسی کا
اعزازِ دوامی کے نشان ان پر رقم تھے
تیا حشرِ بیگِ نسو و شام چمکتے
اور پھولوں سے تھے رنگ بہاؤ ان پر بستے
یہ وضع میں تھے مختلف الحال وہ سارے
اکسر کے لقب ان میں شہِ نوشہرہ وال تھا

بعد ان کے جو اشخاص کہ آئے نظر آئے
تھے دولت و اجلال جلو میں لئے آئے
تھے چتر شہی ہو رہے قربان سروں پر
پر دخل نہ وہاں تک تھا ذرا تاجِ نرسی کا
لہر رہے ایک ایک کے سر پر جو علم تھے
تھے ان پہ جو تاروں کی طرح نام چمکتے
تھے نور سے تمکین و قمار ان پہ برستے
یکساں تھے بحیثیتِ اقبال وہ سارے
کچھ راز نہاں ل پہ ہوا جس کا عیاں تھا

میں سمجھا کہ ایسے جو بہ تمکین ہیں آئے
اقبلمِ عدالت کے سلاطین ہیں آئے

شہسوی موسوم بہ گنجِ فناعت

اور زیرِ نظرِ راوختی اسرارِ نہاں کی
ہر خاک پہ تھا میں گہے افلاک کے اوپر
اور پائے تصور سے ہر ایک ل میں گزر تھا
جو سینہ تھا گویا کہ ایک آئینہ تھا آگے

مستوف تھا میں سیر میں شبِ عالم جاں کی
ہر چند تھا جو نقشِ قدمِ خاک کے اوپر
ہر دم مجھے گھر بیٹھے زمانہ کا سفر تھا
کھولے ہوئے دروازہ ہر ایک سینہ تھا لگے

سینہ میں کبھی جاں میں کبھی اور کبھی دل میں
 روشن صفت آئینہ حالات تھے اُن کے
 ہر نعم و ہر مفلس و ہر شاہ کو دیکھا
 ہر چند کہ رفتار بہ سیر سفری تھی
 ہر دل میں نظر آتے تھے ارمان ہزاروں

اور دل سے پہنچتا تھا کبھی اُنکے کتے تل میں
 اور جو ہر آئینہ خیالات تھے اُن کے
 ہر مے کش و صوفے دل آگاہ کو دیکھا
 آنکھوں پر غفل کی عینک جو دھڑی تھی
 اور ان میں خیالات پریشان ہزاروں

القصہ ہر ایک خانہ و کاستانہ میں ہو کر
 جب پائے نظر میں نے رکھا پشت پر اپنا
 ہر چند کہ تھا تنگ وہ اوضاع جہاں سے
 پر گوشہ میں بیٹھا تھا لئے کوٹن مکاں کو

یعنی کہ ہر ایک سٹل کے نہا خانہ میں ہو کر
 ایک ایسے دل پاک میں پایا گزرا اپنا
 وسعت میں تھا کم دیدہ کوتاہ نظراں سے
 اور آنکھوں میں طے کرتا تھا میدان جہاں کو

دیکھا کہ ہے آہستہ ایک انجمن اُس جا
 ہر چند کہ دربار تو شاہانہ نہیں تھا
 پر تھا عجب ایک نور کا جلوہ کہ نہ پوچھو

اور جلوۂ انوار میں پرتو فگن اُس جا
 اُس دور میں حبشید کا سپاہ نہیں تھا
 اور اُس کا دلوں پر وہ اثر تھا کہ نہ پوچھو

وہ گھر کہ جو سرمایہ آسودہ دلی تھا
 وہاں ڈر کی جگہ دل ہل دہکتے تھے پیدا

اور کعبہ دل خلق میں گر تھا تو وہی تھا
 جو عرب کے شہرے تھے وہ سب جوتے تھے پیدا

ایک مرد مقدس جو وہاں صدر نشین تھا
 عالم میں زن مرد سے بے پیڑ جواں تک
 تھا صدق سے ہر شخص کے دل میں دب اسکا

اور کعبہ عظمت کے مکاں کا وہ کہیں تھا
 آئے کہ نہ آئے کوئی اُن زم میں ناں تک
 اور خلق میں تھا خواجہ قاضی لقب اسکا

ہوتی نہ ریاضت کبھی پہلو سے جدا تھی
اور صبر و توکل تھے ندیمی میں ہمیشہ
پر سند عزت کے لئے سدر نشیں تھا

حاضر تھی جو خدمت میں جماعت ندما کی
اخلاق تھے یاران قدیمی میں ہمیشہ
ہر چند کہ ایک گوشہ میں سجادہ گزین تھا

اور زیر قدم تخت نہ تھا پایہ شوکت
صورت بھی کستی تھی کہ معنوں کا غنی ہے
اور پاؤں لپیٹے تھا بامان قناعت

تھا تاج زرری سر پہ نہ سرمایہ شوکت
پرکھتی تھی دولت کہ یہ ہمت کا دھنی ہے
تھی اُس کے سرِ پائے عیاں شانِ قناعت

دنیا کی ہوس تھی کوئی زہار نہ اُس کو
اور تھی نہ ہوس دل میں جو آتی کبھی لب تک
آنکھوں سے ابھرتی تھی نہ باہر نظر اُس کی

تھا بک زمانہ سے سروکار نہ اُس کو
نیت تھی نہ جاتی کبھی مضمون طلب تک
تھی چشم تمنا نہ کسی چیز پر اُس کی

اور عزم ہدایت پر بصد جسم تھا بیٹھا
اور رخ تھا بچائے ہوئے دنیا کی ہوا سے
جس رخ سے مگر دیکھئے منہ پھیرے ہوئے تھا

و شمع صفت گرچہ سر برم تھا بیٹھا
پر دل جو پھرا تھا ہوس ملک فنا سے
نور اُس کا تو آفاق جہاں گھیرے ہوئے تھا

سب اہل یقین دل کی عقیدت سے تھے آتے
ایک عینک انہیں ایسی عطا ہوتی تھی ہاں سے
اور بہرنگہ سرمہ عالی نظری تھی

جو لوگ ہاں اہل طریقت سے تھے آتے
ملتی تھی جنہیں کچھ خبر اس راز نہاں سے
جو دل کے لئے مایہ روشن گہری تھی

کر دیتی تھی ہر چیز کو ناچیز نظر میں

جو بہر کرامات کے تھے اس کے اثر میں

اور سامنے اس طرح سے تھی ٹھیک لے آتی
بیکساں تھے کبھی بودیہ نابود نظر میں

یادور کے مقصد کو تھی نزدیک لے آتی
موجود کبھی ہوتے تھے مقصود نظر میں

جو دفعۃً ایک آگیا جھوکا سا ہوا کا
ایک پرچہ اخبار اُڑاتا ہوا آیا
رکھا بہ ادب سامنے اُس مرد خدا کے

تھا جلوہ رُخ سامنے اُس مرد خدا کا
قدرت کا تماشا وہ دکھاتا ہوا آیا
قاصد کی طرح آن کے غالب میں صبا کے

دیکھا اُسے تب خواجہ قناعت نے اٹھا کر
اور چلتی زمانہ میں ہوس کی جو ہوا تھی
اور تھے رقم ایک ایک کے اعمال سرسرا

وہ نامہ دیا پیکِ صبا نے جو ہیں لا کر
طوفانِ طمع میں جو پڑی خلق خدا تھی
تھے اُس میں تفصیل وہ احوال سرسرا

اور دیکھی یہ رودادِ بنی نوح بشر کی
منہ پھیرا سونے دستِ چپا یکجا غضب سے
یا شیر کہ ہو در دسے بے صبرِ گرجتا
بھیجا ملک القدس کے دربار میں اُس کو
اس واسطے ایک آپ بھی عرض کی تھی اُس نے
اور جن میں تھے آکوہ بد اعمال یہاں کے
ایمان ٹھکانے نہیں دنیا میں کسی کا
اور کہتے ہیں بے ہمت بے حوصلہ مجھ کو
کہتے کی طرح سب کو ہے در در لئے پھرتی
پر صبر و قناعت کا نہ پایا کوئی ٹکڑا

اُس نامہ پر جب خواجہ قناعت نے نظر کی
آزردہ ہوا درِ محبت کے سبب سے
اس طرح سے گر جا کہ ہو جوں ابرِ گرجتا
معلوم ہوا تھا جو کچھ اخبار میں اُس کو
پر لوگوں کی نیت تھی جو دیکھی ہوئی اُس نے
تحریر کئے اُس میں جو تھے حال یہاں کے
لکھا کہ ہے عالم میں غل بواہوسی کا
دیتے مری نیکی کا بدی ہیں صلہ مجھ کو
ہے ان کو ہوس طوقِ بگردن کئے پھرتی
آنکھوں پر لیا سر پہ جو آیا کوئی ٹکڑا

ہیں خوار مٹی زاری کے لئے سارے خواہاں سے
اے کاش قناعت کئے بھی لیتے سبق اُس سے

ایسے بھی ہیں اکثر کہ پہلے فلاں سے مرتے
محنت سے جو برکت تر ہے نہت ہوئی اُن کی
پہلے غلام ہستی میں وہ مکڑی کا نمونہ
تنتے ہیں خیالوں کے سدا مار گھروں میں
جب دیکھو اپنا بیج کی طرح خوار مٹی گویا
دن رات پڑے ہیں الم و یاس سے مرتے
اور حد سے پہلے گزری ہوئی بے ہمتی انہی
تن ہو گئے ہیں سوکھ کے لکڑی کا نمونہ
دن رات پڑے رہتے ہیں بیکار گھروں میں
جیتے ہوئے ایسے ہیں کہ مردار ہیں گویا

اور ایسے بھی کچھ تنگ نطائق ہیں جہاں میں
پردہ میں سدا کام سے ہیں جان چراتے
ہیں رنگ فقیر کی کا جائے ہوئے بیٹھے
وفا رک و نیا نہیں عقبے کی غرض سے
ظاہر میں فقط زہد کی تصویر ہیں گویا
پچاٹ زبان کو جو لگی مفت خوری کی
جو کچھ ہونہ کرنا یہ بدا انجام ہیں کرتے
جو تن کو لئے بیٹھے ہیں رحت کی اماں میں
اور جان کے پردہ میں ہیں یاں چراتے
اور دام دعا اُس میں لگائے ہوئے بیٹھے
دنیا کو ہیں چھوڑے ہوئے دنیا کی غرض سے
دل دیکھو تو شیطان کے بھی سپر ہیں گویا
پروا ہے اب ان کو نہ بھلی کی نہ بری کی
اور نام میرا مفت میں بدنام ہیں کرتے

حالات جہاں سارے کئے جب قلم اُس نے
یعنی یہاں رہنا مجھے منظور نہیں ہے
بلو اٹیں تو بندہ ابھی یکاں میں آئے
یہ حال میں اپنے ہوں گرفتار ہمیشہ
تب کی یہ رقم مہر زبانِ قلم اُس سے
اور آپ کا دریا بھی کچھ دور نہیں ہے
ہاں آؤں تو پھر جان میری جان میں آئے
خوابی میں جو خوش ہیں تو رہیں خواہ ہمیشہ

دیکھا ملک القدس نے حال ہل جہاں کا
فرمایا اسی وقت کہ دربار ہوتا م
مخلوق کہ ہیں خاص سے تا عام جہاں میں
تا جملہ زن و مرد سے لے پڑ جواں تک
وہ آ کے حقیقت سر دربار دکھائیں
تا جو ہر اصلی جو ہر ایک دل میں نہاں ہوں

اور حال کھلا اُن کے ہر ایک اتر نہاں کا
اور اُس میں ایک آئینہ اسرار ہو قائم
جاری ہوں اسی م انہیں احکام جہاں میں
ہیں ہو چکے آفاق میں اور ہونگے جہاں تک
اور یہاں انہیں آئینہ اسرار دکھائیں
آئینہ میں وہ صورت آئینہ عیان ہوں

مشہور کیا خلق میں شہرت کی زباں نے
ارواح سے تا عالم اجسام تھے جتنے
اور ہو چکے یا ہونگے ازل تا اب ابد تک
دربار مقدس میں ہوئے اُن کے حاضر

جس م یہ دیا حکم جہاندار جہاں نے
یہاں سنتے ہی کل خاص سے تا عام تھے
جو جو کہ تھی مخلوق خدا نیک سے بد تک
خفہ لئے ہاتھوں میں دل جان کے حاضر

چھایا ہوا آفاق میں تھا رنگِ عدالت
یا اہل صفا کا وہ دل پاک تھا روشن
کھلتے تھے بڑے خلق کے ہر احو حقیقت

بیٹھا ملک القدس باورنگِ عدالت
آئینہ کہ جو شیشہ افلاک تھا روشن
پر تو فغان اُس میں تھے جو انوار حقیقت

اور گوشِ عقیدت میں ہیں سب کو سنادی
اور سامنے آئینہ کے حاضر صفا ہو
اور دیتا خبر ہے نردل سے بھی پئے کی
باطن کی جو حالت ہے وہ ظاہر نظر آئے

در بار میں یکبار منادی نے ندادی
یعنی کہ تہر تہیب ہر ایک فرقہ جدا ہو
دنیا میں کسوٹی ہے وہ ہر کھوٹے کھرے کی
جس شخص کی تصویر کہ اس میں اُتر آئے

ایک فرقہ یکا یک ہو ا دربار میں حاضر
خوشحال بھی تھے اور زدہ حوال بھی انہیں
پر چتر لگائے تھا و قار اُن کے سروں پر
بھوکے بھی جو تھے ان میں جی پتھر اُنکے
خالی تھی بسب سے نہ یہ آہوش کی بھی
یعنی کہ بظاہر تھے شکم وصل کمر میں
بھوکے تھے مگر فضل و کمالات کے سارے

اور پہلے ہو ا معرض اظہار میں حاضر
تھے حادثہ دہر کے پامال بھی اُن میں
دولت کھڑی ہوتی تھی اُن کے سروں پر
آہوش کی نے کئے دل شیریں اُن کے
ایک بات میں تھی اُن کو قناعت کی کمی بھی
جس سے کہ سبک تھے کس ناکس کی نظر میں
محتاج اگر تھے تو اسی بات کے سارے

دیکھے ملک انیس نے جب اُل بھوکے
اعزاز و دوا می کے دئے تاج بھی اُن کو
تا اہل جہاں میں رہیں ممتاز ہمیشہ

آئینہ ہوئے جو ہر اعمال بھوکے
اور ملک قناعت کے دئے باج بھی اُنکو
اور رہویں زمانہ میں باعسہ ایشہ

بعد اس کے گروہ اور ایک آنا نظر آیا
آئے بھوس سب سے قدم ہانکے آگے
سرتا قدم عکس ہوئے جلوہ گر اُس میں
جن کے بدنوں پر نہ دہن تھے نہ گلے تھے
ملتی تھی نہ وہ شے کہ قناعت کریں جس پر
تھے خوارجی و رسوائی میں دن کاٹتے پھرتے
پر دوا حص نہ ہوتے تھے کم اُن کے

اور اُس میں تماشا یہ نظر طرف تر آیا
پر پہنچے جب آئینہ مہر کے آگے
اس طرح کے آئے وہ نظر جانور اُس میں
کھانے کے لئے سارے شکم ہوئے ڈھلے تھے
ماند گس تھے کبھی اُس پر کبھی اس پر
اور ہونٹ تھے کبھی کی طرح چاٹتے پھرتے
غریب کی صورت تھے نہ بھرتے شکم اُنکے

کچھ لوگ عجب نگ کھاتے ہوئے آئے

اور اپنے تماشے پہ پھرتے ہوئے آئے

<p>راحت طلبی اُن کو گراں بار تھی کرتی ہل کر اُنہیں جانا تھا کہیں گور کا جانا آنے میں بھی تھے جان چرائے ہوئے آتے القصد وہ جب بیچ میں دربار کے آئے تھے سارے تھے کہ سر ڈالنے ناچار کھڑے تھے</p>	<p>اور زندگی اس طرح سے مزار تھی کرتی یا قید مشقت کی طرف چور کا جانا آتا لوگ ان کو تھے کا نہ صول پہ کھٹائے ہوئے آتے اور سامنے آئینہ اسرار کے آئے اور کہتے جگانی سر پہ بار کھڑے تھے</p>
--	---

<p>اور تھی کی ادھیل میں جو عیاں تھے بیٹھے پردہ میں قناعت کے وہ تھے تیر لگاتے ظاہر میں ثربی تمکنتِ شان سے آئے روباہ کی صورت نظر آتے تھے وہ سارے</p>	<p>دن رات شکاروں کے طلبگار تھے بیٹھے اور دامِ دنیا تھے پے پھیر لگاتے لیکن نظر آئینہ میں شیطاں سے آئے گر گٹ کے مگر رنگ کھاتے تھے وہ سارے</p>
--	---

<p>جس خانہ دل میں یلسمات عیاں تھے اس طرح کا گھر خلق میں سوچو تو کہاں ہو</p>	<p>اور آئینہ حالاتِ خیالات جہاں تھے جیراں ہوں کہ وہ خانہ دل ہو تو کہاں ہو</p>
---	---

<p>بعد آنکھیں کئے کیوں بچے ایک ایک گھر تو</p>	<p>اپنے ہی چپ راست ذرا غور تو کر تو</p>
---	---

پہلو میں کہیں تیرے نہ وہ خانہ دل ہو
آزاد وہ اپنا ہی نہ کاشانہ دل ہو



مثنوی مسیٰ بہ ابر کرم

جو نکتہ یاب ہیں کتب انقلاب کے
ذکر ہے اُن کے سامنے ماضی و حال کا
شاہان ماسلف کے مرقع عجیب ہیں
تحریر تازہ لاتی ہے تقدیر سامنے
اس کشور فنا کا عجیب طرز و طور ہے
قانون انقلاب یہاں رسم و راہ ہے
اب یہاں جو چند روز سے قانون عام ہے
عالم تھا شعلہ خیز و فلک شعلہ ریز تھا
منہ پر زبیں کے دیکھو تو ہے خاک اُڑ رہی
دنیا میں بوند بوند کو خلقت ترس رہی
شہروں میں سوکھ سوکھ کے جنگل چمن ہوئے
طفل بنات پیاس کے مارے بلک گئے
سیاہ ہوئے سینہ سے ہر دل نکل چلا
دل تشنگی کے مارے یہ بیتاب ہو گئے
پر اب ہے دور دور شر برشکال کا
گرمی کا جو بخار تھا سا رانکل گیا
فرمان راحت سحر و شام آ گیا

دن رات کو سمجھتے ورق ہیں کتاب کے
جو آگے آئینہ ہے دکھاتا مشال کا
روشن سبائس میں عہد بعید قریب ہیں
آتی ہے دم بدم نئی تصویر سامنے
دم بھر میں صوت اور ہے دم بھر میں آہ ہے
موسم ہوسم اس میں نیا بادشاہ ہے
گرمی کے بادشاہ کا گرم انتظام ہے
ایک حکم تھا جو گرم تو ایک حکم تیز بھتا
اور گرد چار سوتیرا فلک اُڑ رہی
پانی کی جائے آگ فلک سے برس رہی
اور جنگلوں میں دھوپ سے کالے ہرن ہوئے
خلق خدا کے نالے بہت دور تک گئے
اور آفتاب شمع کی صورت پگل چلا
انسان ترپ کے ماہی بے آب ہو گئے
چھایا فلک پہ ابر ہے جاہ و جلال کا
اور رنگ آسمان و زمین کا بدل گیا
خلق خدا کی جان کو آرام آ گیا

جو خشک تر ہے تیرے کرم سے نہال ہے
تیری زمیں ہے اور تر آسماں پہلے اور
تو بہارِ کشورِ ہندوستان ہے

اے ابر اکر تو توشہ برشکال ہے
تیرے گل کے واسطے رنگ جہاں ہے اور
نورِ آب و رنگ بہارِ جہان ہے

پھولوں نہیں سماتی خوشی نے میں ہے یہ
آنکھیں بھول کی لگ گئی تھیں آسمان کو
دیوار و در سے آج برستا سرور ہے
سیراب کوہ و دشت تو شاداب شہر ہے

اے ابر جوشِ سبز و گلبن نہیں ہے یہ
مدت سے انتظار تھا تیرا جہان کو
آنے سے تیرے آگیا آنکھوں میں نور ہے
تیرے ہی دم قدم کی یہ سب لہر بہر ہے

پاتا حیات تجھ سے ہے عالم نبات کا
اور زندگی درخت کہن سال کے لئے
دانہ پہاڑ کو ہے نکل آتا چیر کے

ہر قطرہ تیرا قطرہ ہے آبِ حیات کا
تو دو ہے نبات کے اطفال کے لئے
اے ابر زور کیا کہوں میں تیرے پیر کے

اور میووں سے بھجے ہوئے دمِ درخت ہیں
ہیں حوصلے بہار کے باہر نکل پڑے

سب تجھ سے نو نہال چمنِ سبز نخت ہیں
یہ پھول پھل نہیں ہیں برابر نکل پڑے

پھولوں سے گاہ کرتا شگفتہ جبین کہے
دکھلاتا ایک رنگ میں سورنگ ہے کبھی
اور وہ نگار خانہ چینی کا کھولنا
کرتا خاک کو بادلوں سے گلہ پوش ہے
اے ابر سیکھی شعبہ بازی کہاں سے ہے

گر پر نیاں سبز اڑھاتا زمین کو ہے
گردوں پہ کرتا عالمِ نیرنگ ہے کبھی
سیماب صبح میں کبھی شگرت گھولنا
لاتا کبھی کچھ اور ہی جوش و خروش ہے
یوں رنگ مبدع جو بدلتا جہاں کے ہے

دل بادل آگے پیچھے لئے ساتھ فوج کے
اور بال و پر نہ کہہ سہے اڑتا لگا کے تو
اے ابر تیرے ساتھ یہ مسازتے غضب
ہمیت سے عدو برق کی کھسار ہل گئے
اور ٹہنیوں کے سازوں پہ سر نہیں دلا رہیں
اور ٹیٹھی بولیوں میں وہ شربت کا گھولنا
یہ لطف عیش لطف ہوا تیرے م سے ہیں

اے ابر جب تو آتا ہے میدان پہ فوج کے
آتا ہے یوزاد کی صورت بنا کے تو
اُس وقت تیرے رعد کی آواز ہے غضب
بل بے تری گرج کہ دل زار ہل گئے
لیکن جو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں پہل رہیں
کوئل کی کوک اور چہیسے کا بولنا
اسے ابر سب یہ ساز و ناتیرے م سے ہیں

گلشن کے تو نہالوں کے منکھڑے ہوئے
منہ کھولے تھے کبوتر و گنجشک پیاس سے
آنے سے تیریے جان میں ہے جان آگشی

خنیوں کے بارے پیاس کے تھے منہ کھلے ہوئے
انسان پھرتے پیاس سے تھے بدحواس
رونق سمجھوں کے منہ پہ پاس آن آگشی

خلق خدا کے رزق کا تو ذمہ دار ہے
اور سایہ ہما ہے زمیندار کے لئے

تیرا خطاب رحمت پر دروگاہ ہے
سرمایہ تو ہی دیتا ہے تاجار کے لئے

عمر میں ہوئیں لکیر پہ بیٹھے فقیر، میں
تجھ پر نظر تھی یا کہ خدا پر نگاہ تھی
میں بیٹھے اپنے کھیتوں پہ اور باغ باغ ہیں

اے ابر وہ جو خلق میں ہقان پیر ہیں
اُن کو اُمید تھی۔ نہ کسی کی پناہ تھی
آج اپنے بچ و فکر سے اُن کو فراغ ہیں

پیر کوہ کو ہمار میں کچھ اور نور ہے
اور گلینوں سے لکے شجر تک ہرے کھڑے

اے ابر تیرے فیض کا ہر جاؤ نور ہے
میں سب پہاڑ پھولوں دامن بھرے کھڑے

چستے ہیں جا بجا تری رحمت کے برے ہے
گویا زبان موج سے ہیں صفت کہ ہے

ریتی پر خشک لب تھا جو دریا پڑا ہوا
اب پوچھتا نکاس ہے معتد اراج کی
دیوانہ وار کف بر لب آب مارتا
یہ جوش یہ خروش سما ہے دکھا رہا
ہو جیسے کوئی سانپ سستا پڑا ہوا
دیکھو میں آیا توڑ کے زنجیریں موج کی
گاہے تھپیر ٹہے گئے گرداب مارتا
ہر موج میں ہے توج کا طوفان اٹھا رہا

پر مجھ کو رشک ہے اُسی مست و دام پر
ستانہ پن میں کھتا ہے دیوانہ طور بھی
سبز پہ نوٹھا ہے مانع آسمان پر ہے
یوں پھوٹ کر جو ہیں گل ریحان گل پڑے
جس کی کہنکشی نہیں موقوف جام پر
متانے ساتھ رکھتا ہے وچار اور بھی
اور دمدم مطلع منوروں نہاں پر ہے
کیا جانے کن دلوں کے میل مان گل پڑے

اس وقت جو چھایا ہوا ہے جہان پر
چلنا وہ بادلوں کا زمیں چوم چوم کر
بجلی کو دیکھو آتی ہے کیا کوندتی ہوئی
آتی ادھر صبا ہے ادھر سے نسیم بھی
مستی میں جھومتا وہ جوانانِ باغ کا
سبزہ کے عکس سے درو دیوار سبز سبز
ان سبز سبز کاریوں پر دل میں لوٹتے
شبم عجب بہار ہے اپنی دکھا رہی
سبزہ کے برگ برگ میں موتی جڑے ہوئے
چھایا ہوا سما ہے زمین آسمان پر
اور اٹھنا آسمان کی طرف جھوم جھوم کر
سبزہ کو ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا روندتی ہوئی
اور ان کے ساتھ ساتھ ہے آتی نسیم بھی
جھک جھک کے لینا اتھ سے گل کے باغ کا
سیراب باغ و دشت تو کھار سبز سبز
طوطی برنگ طائر بسمل ہی لوٹتے
موتی بکھرتی ہے جو ہر لٹار ہی
شاخ و شجر تمام مرصع کھڑے ہوئے

ٹپکے اگر ہوائے تو ہیرے کا ہار میں
ہیرا چین کی اوس پہ الماس کھائیگا
اور شامیانے شرق سے تا غرب چھا گئے
برسیگا آج خوب دھواں اُھا رہا ہے
نودن کی گر لگاوے جھڑی تو بہا رہے
ہیگا پیام ابر بہاری کے تار کا

پتوں پہ آب و رنگ سے مینا نگار میں
شبم کا جوش اگر یہی طوفان اُٹھائیگا
لو بادل اب گر جتے ہجئے سر پہ آگئے
کیا مست آیا جھوم کے سرشار رہے
ایا اُمند گھمنڈ کے عجب دھندو کا رہے
لیکن یہ باجرا سا برستا پھوار کا

اور سبز کیاریوں میں وہ پھولوں کی لالیاں
وہ کیاریاں بھری ہوئیں تھلے چھلکے
اور روے سبزہ زار کا دھوکہ سنوارنا
اور گو بنخا وہ باغ کا پانی کے شور سے
گویا چھلک رہے ہیں کٹورے گلاب کے
آپس میں بول بول کے کرتے کول ہیں
اور دل میں اہل درد کے نشتر گھنگوٹنا
اور مورنی کا اشک کے موتی کو جانچنا
ایک قہقہہ بہ طرز لگاتا چکور ہے
اور ساتھ اُس کے آم کا بڑکا لگا ہوا
اور بچے آم کے ہاں پیسے بجا رہے
پڑوسیوں کی یادوں سے اراٹوں میں ہیں
بادل گر جکے پردے میں دیتا ٹکڑے

بندوں میں جھومتی وہ درختوں کی ڈالیاں
وہ ٹہنیوں میں پانی کے قطرے ٹھکڑے
آب رواں کا نالیوں میں لہر مارنا
گرنا وہ آبشار کی چادر کا زور سے
جل تھل ہیں کوہِ دشت میں تاب آب کے
ہر جا پہ طائرانِ چمن غول غول ہیں
کوئل کا دُور دُور وختوں میں بولنا
طاؤس کا وہ دُوم کو چنور کر کے ناچنا
لیکن چمن سے ناپچکے چلتا جو موہ ہے
اہلی کے ایک درخت میں جھولا پڑا ہوا
جھولوں میں نوجوان ہیں بینگیں چڑھا رہے
ساون کے گیت اُٹھا رہے طوفانوں میں ہیں
ہرتان میں ملہار کی مستی کا شور ہے

اسے ابر تیری رات کی تعریف اگر کروں
 کھیا کیا بیاں کروں میں تری رات کا مزا
 سنسان رات اور وہ آئی ہوئی گھٹا
 بجلی کبھی کبھی نگہ فتنہ ساز سے
 اور کو کنا پیسے کا وہ دل کی ہوک سے
 کوٹھے پٹھنڈے پٹھنڈے بچھنے وہ دوس میں
 آنا وہ بھیگی بھیگی ہوا کا کبھی کبھی
 آرام کہ رہا ہے کہ میرے ہی ہو رہو
 آزاد لکھتے لکھتے ہے آدھی تو ڈھل گئی

لازم ہے پہلے میں رہ ظلمات سر کروں
 گر رات کا مزا ہے تو برسات کا مزا
 چاروں طرف جہان میں چھائی ہوئی گھٹا
 کرتی نقاب ایر میں چمک ہے ناز سے
 نالہ کو اپنے نون کوئل کی کوک سے
 ہے گل کو فخر آوے اگر پائے بوس میں
 بول اٹھنا مرغِ نغمہ سرا کا کبھی کبھی
 قسمیں دے دیتی نیند کہ بس ب تو سو رہو
 اور شمع لالٹین میں ساری پگل گئی

طول امل کو اپنے اب انجام دیجئے
 کوئی گھڑی تو آپ بھی آرام کیجئے

منشوی رستاں

آرستاں کہ ہے قباد شہِ برفانی
 تخت اقبال ہے عالم سے نرالا تیرا
 شرق تا غرب نرالا ملک ہے ہر طرف سفید
 جبکہ عالم پہ ہے تو لشکر جنگی لاتا
 باد صحر ہے نشاں تیرا اڑاتی آتی
 طرۃ العین میں کر لیتا ہے تسخیر جہاں

شاہِ برفانی و شاہنشاہِ برفستانی
 اور ہے دربارِ سر کوہِ ہمالا تیرا
 اڑ رہا پرچم اقبال ہے جوں برف سفید
 کوہ و صحرا کو برابر ہے اُلٹا آتما
 فوج اقبال کو رستہ ہے بتاتی آتی
 تیرے آتے ہی بدل جاتی ہے تاثیر جہاں

جس طرف تیرے پھریرے کا ہے جھوکا جاتا
 ہے نباتات کا عالم نہ وبالاً تجھ سے
 باغ پر جب ہے ترے قمر کا جھوکا آتا
 تیرے سٹائے سے جوتی ہے ہوا جانِ نبات
 قمر قمر تے ہیں کھڑے سارے جو انارِ چمن
 ہیں شجر سر پہ کھڑے خاک اُڑاتے سارے
 نعمۂ سبجانِ چمن پر ہیں پھل لائے بیٹھے
 باغبان کا جو گستاں میں گزر ہوتا ہے
 یا الہی وہ جو انارِ چمن ہو گئے کیا
 رازِ غم کس سے کھلے باغ میں بلب بھی نہیں
 نہ تو غنچ کوئی باقی ہے کہ جو منہ کھولے
 کہ درختانِ چمن باغ میں عریاں کیوں ہیں
 اے مستان جو ہوئی خامر سے ہے بولاجی
 تجھ سے ہے دور ہواؤں کی کثافت ہوتی
 خلق سے دفع و باؤں کی بلا ہوتی ہے
 خشک ہوتی ہے مزارجوں کی رطوبت تجھ سے
 تو نے ہے صاف جہاں قاف سے قاف کیا
 مغل و قاقم و سبجاب پنہاتا تو ہے
 تو نہ تھا جب تو نہ تھا جان کو جینے کا مزا
 اب عمل میں ترے آرام سے سب جیتے ہیں

مارے ہیبت کے ہل سینو نہیں تھرا جاتا
 پرنے پرنے ہے گلستاں کا رسالہ تجھ سے
 ڈر کے ہر برگ ہے پیوند زمین ہو جاتا
 خوف کے مارے ہل جاتے ہیں طفلانِ نبات
 منہ چھپا ہیں گل و سنبل و ریحانِ چمن
 گل و گلزار ہیں ویراں نظر آتے سارے
 اور پر و بال میں ہیں منہ کو چھپائے بیٹھے
 لبِ حیرت سے یہی کہتا ہے اور روتا ہے
 باغِ سنسان ہے مرغانِ چمن ہو گئے کیا
 کان میں پوچھتے کس سے کہ ہا گل بھی نہیں
 نہ ہے گلزار میں سون جو زیاں سے بولے
 ہاتھ پھیلائے کھڑے ششدر و حیران ہیں
 فے الحقیقت ہوئی خد تیں تری بے ادبی
 دفع زہرِ حشراتی کی ہے آفت ہوتی
 اور مرصیوں کو ترے دم سے شفا ہوتی ہے
 پاتا ہر مریوہ شیریں ہے عذوبت تجھ سے
 شیشہ گند بد فیروزہ ہے شفاف کیا
 بہت اثمار تر و خشک کہلاتا تو ہے
 تھانہ کھانے ہی کا کچھ اور نہ پیتے کا مزا
 گرم کھاتے ہیں غذا آبِ خنک پیتے ہیں

اور نعل سے دل وحشت زدہ نکلا جاتا
 آگ ہاتھ آئے تو ہیں دل میں چھپائے لیتے
 بچے ماں باپ کی بغلوں میں گھسے جاتے ہیں
 پر بچھلائے ہوئے جیسے کوئی بلبل بیٹھا
 کوئی کر بیٹھا پچھونے کو غلاف بنا ہے
 لیکن انگلیٹھی کو پہلو میں سنبھالے ہیں پٹے
 ہیں کئی کانپتے سردی سے کئی ہانپتے ہیں
 گرد سب بیٹھے ہیں ورینچ میں انگلیٹھی ہے
 رونگٹے ہو گئے سردی سے کٹھے قالی کے
 پردہ رنگ میں ہیں جبکہ ہوئے گل بیٹھے
 تن تو ٹھنڈے ہیں پٹے سینو نہیں ہے آگ لگی
 دل میں ہے آگ لگی منہ سے اگلے ہیں ٹھوس

یا تو گرمی سے تھپا پاس بھی بیٹھا جاتا
 یا ہیں اب ہاتھوں کو بغلوں میں دبائے لیتے
 مارے سردی کے جگر سینوں میں تھرتھرتے ہیں
 ہے کوئی چھینٹ کا اوڑھے ہوئے فعل بیٹھا
 اوڑھ بیٹھا کوئی سردی سے لحاف بنا ہے
 کچھ لحافوں سے ابھی منہ کو نکالے ہیں پٹے
 کچی سکرے ہوئے بیٹھے ہیں کئی کانپتے ہیں
 کہیں سو سو کہیں سی سی ہے کہیں سٹھی ہے
 حال دیکھے ہیں جو یہ خلق کی بد حالی کے
 اس کی ہریل میں چھپ چھپ کے ہیں بل بیٹھے
 خلق سے گرمی و سردی کی جو ہے لاگ لگی
 ہر نفس بھاپ کے پردے میں نکلتے ہیں ٹھوس

ماتنی سب اہل جہاں کیلئے پوشاک ہے عام
 غرابا سارے ہیں مکمل کے حوالے ہوتے
 ہے کوئی کھال میں مست اور کوئی شال میں
 فقرا لپٹے ہیں سب ایک ہی مکمل میں پٹے

تیرے فضال سخاوت و افلاک ہیں عام
 اہل دولت کچھ ہیں خلعت میں دو شالے ہوتے
 کر دیا تو نے ہے خلعت کو ہر ایک حال میں مست
 جان عالم ہیں الگ بستر مخمل میں پٹے

تیری شہانہ رازا در وہ ہر بات کا لطف
 کہ کبھی دن ہیں بڑے اور کبھی رات بڑی
 اور جو بڈھا ہے تو لیتا ہے کہانی کا مزا

انے مستان کہوں کس طرح تیری ات کا لطف
 کی تیری رات نے اناؤں کی ہے بات بڑی
 ہے جواں لیتا اسی شب میں جوانی کا مزا

بزم احباب کی صحبت کا مزا ہے تجھ سے
شب سراہی میں ہے گانے بجانے کا مزا
یار حق کے تھے دور میں لیتے ہیں مزا
ہنگوٹ حق کا یہ ہر دم نہیں ہم بھرتے ہیں
صوفی و زند کے جلسہ کا تو ہی ساتی ہے
ہر طرف ہیگی پیالی پر پیالی اُڑتی
یے نشے مست پٹھے شکر خدا کرتے ہیں

ساز عشرت کے لئے بگڑا ہے تجھ سے
پان کھانے کا گوری کے چبانے کا مزا
وود تلخ اُس کے سوا دوسے دیتے ہیں منے
انے منساں تیرے عشق کے دم بھرتے ہیں
ماہمیش طرب دم سے ترے باقی ہے
مے نہوے تو ہے تصویر خیالی اُڑتی
چائیں پی پی کے تھے سر کو دعا کرتے ہیں

شب سراہی میں اگر لطف ہے مینوشی کا
ہیں کبھی عالم ارواح کے سماں آتے
دل کے ایوان میں ہیں وہ لکے عدالت کرتے

تو اسی شب ہے مزا مجلس خاموشی کا
بزم و بار میں ہیں صاحب فرماں آتے
ہیں کتابوں کے گیل اُن کی وکالت کرتے

جلوہ گر پیش نظر ہوتی ہے فائوس خیال
بیٹھا جمشید کہیں دیکھتا ہے جام اپنا
دوش ضحاک پہ آتے ہیں کبھی مار نظر
گرز کو دوش پر رستم ہے اٹھائے جاتا
کبھی سہراب سرخاک نظر آتا ہے
کہیں دربار سکندر کہیں بزم دارا
تن دارا ہے کبھی بے سرفراہ ہوتا
خضر کے ساتھ سکندر کبھی غلامت میں ہے
زند پازند کو زرتشت سناتا ہے کبھی

پھرتے ہیں چار طرف دوڑتے جاسوس خیال
پر سمجھ میں نہیں آتا ہے کچھ انجام اپنا
سرخاک ہے آتا ہے سردار نظر
ہفت خواں میں ہے کبھی خوش اُڑائے جاتا
باپ بھی غم سے جگر چاک نظر آتا ہے
اور کہیں غم سکندر ہے بہ رزم دارا
اور سکندر ہے کھڑا اُس کے سکندر روتا
کبھی نوتا ہے سے مصروف ملاقات میں ہے
شعلہ و آب میں آتش کو دکھاتا ہے کبھی

کبھی محمود ہے چڑھ کر سر جے پال آتا
نقشہ نعمان خورنق کا جماتا ہے کبھی
گاہ چنگیز ہے اور گاہ ہلاکو آتا
جب بہت طول کپڑا ہے شب دیواری
ہند سے گرچہ بہت جلد چلا جاتا ہے
بزم افسانہ میں ویاں خسرو پرویز بھی ہے
قصہ شیریں سے ہے فراد بھی و لگیر آتا
خون فریاد سے تیشہ ہے کھلاتا لالہ

کشور ہند میں گویا کہ ہے بھونچال آتا
سناٹا اپنے کٹے ہاتھ دکھاتا ہے کبھی
جیسے گھر لوٹتا ہووے کوئی ڈاکو آتا
لیکے تیمور ہے آتا توڑک تیموری
پشت در پشت مگر سکہ جماتا ہے
باربد زمرہ سے اپنے شکر ریز بھی ہے
پرنسپل میں لئے شیریں کی ہے تصویر آتا
چادر اوڑھے ہے کھڑی پیرن لالہ

ہیں یہاں انجمن علم کے جو صاحب راز
خاز دل میں وہ ایک بزم میں قائم کرتے
فخر رازی کبھی لے آتے ہیں تفسیر کبیر
ہوتی ہیئت کی مجلس سے ہے توضیح وں
ہے کوئی جلد دلائل کو مجھڑے کرتا
ہے دلائل سے خلا کو کوئی باطل کرتا
دفعہ چلتی ہے مجلس پہ ہواے یونان
ہے فلاطوں لئے اشراق کے آئینہ کو
پر اسطو جو کبھی بزم میں آجاتا ہے

فصل سرمای میں ہیں جب دیکھتے شہائے از
منعقد مجلس ارباب عائم کرتے
یو علی آکے سناتے ہیں شفا کی تقریر
کبھی ہوتی ہے سطرلاب کی تسلیح ویاں
کوئی ابطال حسرت لایا تہجڑے کرتا
پر ہے داناے فرنگ اسکو بھی قائل کرتا
یعنی تشریف ہیں لائے حکماء یونان
کرتا آئینہ سے ہے صاف سواہد
باتوں ہی باتوں میں ہر شکل مٹا جاتا ہے

رکھتے ہیں جو کہ طبیعت میں ہواے چینی
آکے سودا کبھی ایک بھوسا دیتے ہیں

چلتی ہے اُن کے دلوں پر چھلکے چینی
لیکن اس طرح کہ محفل کو لٹا دیتے ہیں

پھر کبھی بڑھکے ساتے ہیں قصیدہ اپنا
ناسخ و آتش و انشا و نصیر آتے، میں
میر بڑھتے ہیں کوئی شعر گزیدہ اپنا
غالب و ذوق مگر خاتمہ کر جاتے ہیں

ہوتی اتنے میں ہے افلاک پہ تنویر سحر
سر پہ وہ اپنے بکھرے ہوئے ہے مئے سفید
ٹیکتا آتا ہے مشرق سے عصا پر سحر
شجر طور کا عالم ہے سنا آتا
ریش پر نور میں ہے جلوہ ماروے سفید
ہند کو کابل و کشمیر بنا دیتا ہے
ساختہ ہے کوہ ہمالا کو اکھٹا لاتا
ملک تاتار کی تصویر دکھا دیتا ہے

گرچہ ہر جا پتھرے چلتے قوانین میں اور
ایک جھوکا جو ترے حکم کا آجاتا ہے
اے رستاں ترے اس ملک میں آئیں ہیں اور
ذرد ہو جاتے ہیں سب شت سے کس ملک
تو نباتات کا سب رنگ بدل جاتا ہے
وہاں سفیصل میں گویا قطر آتی ہے بہت
کوه سے کاہ ملک باغ سے ہجارت ملک
عقل حیراں ہے کہ سونایہ بکھیرا کس نے
زعفران پوش درختوں کو بناتی ہے بہت
بعض شجراں پہ ہے حکم بہت سخت آتا
آپ زر روے نباتات پہ پھیرا کس نے
دل میں ہر برگ کے یوں لگا دیتا ہے
پتے پتے کو جلاتا ہوا ایک لخت آتا
جس طرح سے کوئی تانبے کو تپا دیتا ہے
ہر شجر پر ہے غرض رنگ بدل کر آتا
کہیں زر کار ہے آتا کہیں مسکرا آتا

پتھرے حکم کے جھوکے میں سوا تیزی ہے
برگ بکھو تو ہوں سب جھڑکے سرخاک پڑے
کہ نباتات پہ طوفان بلا ریزی ہے
دفعۃً پیر سحر سانس ہے بھرتا ایسا
اور شجر سب ہیں برہنہ تیرا فلاک کھڑے
کہ جہاں آنکھوں میں ہو جاتا ہے کیسا سفید
یا زمانہ پہ وہ کچھ سحر ہے کرتا ایسا
دشت کسار سے لے تا درو دیوار سفید

برف کے پردہ میں وہ روٹی دھنکتے جانا
اور ہوا میں پس کبھی روعے کے گائے اُڑتے
اور سرچشمہ میں شیشے کی طرح جم جاتے
یا کہ پتوں کا بڑھائے ہوئے گنا تھے کھڑے
سرسبز غیرت بلور نظر آتے ہیں

ایسی طرح بخارات کا گھر کر آنا
ہلکے ہلکے کبھی مکڑی کے ہیں جالے اُڑتے
جا بجا آب رواں چلنے سے ہیں تھم جاتے
جو شجر گشتن ہستی میں برہنہ تھے کھڑے
شجر نور سر طور نظر آتے ہیں

یہ لطیفہ ہے مگر فہم میں آنے سے الگ
اور ہوا میں ہے تبا شیر اُڑتا کیونکر
پر برستا ہوا کا فور نہیں دیکھا تھا

ہیں زمیں ترے سب کام زمانہ سے الگ
جام گردوں میں ہے تو شیر جاتا کیونکر
ابرو باراں تو تر چرخ بریں دیکھا تھا

فن صنعت ہے ہال اور کچھ ایسے بار ترا
قصر شیریں کی ہے تو ڈالتا بنیاد و ہاں
صورتیں برف سے کیا کیا ہے بناتا جاتا
اور ہر ایک میوہ ہے قدرت سے خدا ساز
برف کا اسپ سبک خیز بھی ہوتا ہے وہیں
اور پری ہے پر پرواز سے تیار کھڑی
اور ہرن کہتا ہے میں چو کڑی بھرتا ہوں
اکوئیں اونٹ ہے گردن کو اٹھائے بیٹھا
اور کبھی فیل کی تصویر بناتا ہے وہیں
اور کبھی صورت شیطان بنا دیتا ہے

جبکہ ہوتا ہے گزر جانب کسار ترا
بت تراشی میں ہے تو غیرت فرما دو ہاں
ایک طلسمات کا عالم ہے دکھاتا جاتا
پتے پتے کا ہے تصویر میل نڈاز درست
اژدہا دامن کسار میں سوتا ہے وہیں
ہے کہیں یو کی تصویر نمودار کھڑی
چیتا کہتا ہے کہ میں جست ابھی کر جاتا ہوں
برف کا بیل کہیں سر ہے جھکائے بیٹھا
شیر وابستہ زنجیر بناتا ہے وہیں
کبھی انساں کبھی حیوان بنا دیتا ہے

تو کبھی رشک مانی و پہرہ اوہے تو
اور تری طبع ہے آتی سوئے نگین کاری
اور کوئی صید ہے سرگشتہ آفت لاتا
اور ہے شکرگفت کو لیتا رگ نچیر سے تو
خون بے جرم سے کرتا ہے اسے گلناری
تیرا دیدہ عبرت میں چھا جاتا ہے

انے مستان جو کبھی آذر و فرما دیے تو
برف سے جبے نکھرتا فلک رنگاری
کسی صیاد کو ہے کر کے ضیافت لاتا
لیتا پھر کار قلم ہے دم شمشیر سے تو
کی سرخاک جو تھی برف نے بسیمیں کاری
صید نو مید کا خون رنگ جو دکھاتا ہے

ایک طلسمات کا گویا ہے تماشا ہوتا
سر سبز تختہ الماس بناتا ہے اُسے
جس طرح دشت میں مہنوں کی ہڈیاں چاٹیں
سفری سینکڑوں بے لاگ گزر جاتے ہیں
ایسے جاتے ہیں کہ دہن نہیں ہوتا ہے

ہے گزر جب کہ ترانہ جانب دریا ہوتا
ایسا تو حکمت جادو سے جاتا ہے اُسے
کاروانوں کی برابر ہیں قطاریں جاتیں
پل میں لے کشتی و پل پارا تر جاتے ہیں
روئے دریا پہ گزر مثل نظر ہوتا ہے

انے مستان ہیں ہاں تیرے عجیب نشیمن رنگ
جلوہ تخت ہو اوار دکھاتے جاتے
پہلوں بے مے و بے جام شرابوں سے ہست
سب کمر بستہ ہیں میدان بسک خیزی میں
اور عصا اپنے سر برف چماتے ہیں کھڑے
یہ اچھل جاتے ہیں وراگے پھسلتے جاتے
پر رپٹ دوڑ کا میدان نہ مارا ہوگا

گلشن انش فرہنگ جہے ملک فرنگ
بارہ سنے کہیں گچھی ہیں اڑاتے جاتے
نوجواں ہیں گجوانی کی شرابوں سے ہست
ہے نہ بس جوش ملی حوصلہ انگیزی میں
پاؤں میں کاشمے موزوں کو چڑھائے ہیں کھڑے
قدم آگے کوڑھکر ہیں نکلتے جاتے
کوئی گھڑوڑ میں جیتا کوئی مارا ہوگا

<p>بس کرائے دل کہ نہیں لکھنے کی طاقت باقی دیکھ کاغذ ورق ہاتھ میں تھڑکتا ہے مائے سڑی کے ہے سر اپنا جھکائے لیتا مرے اللہ تو ہی اب ہے بچا تے والا آرزو کچھ نہیں دنیا کی ہی ہے دل میں</p>	<p>مائے سڑی کے نہیں ہاتھ میں حالت باقی اور قلم ہاتھ سے تھڑکے گرا جاتا ہے منہ ہے کاغذ کی رضائی میں چھپائے لیتا ترے آزاد کو جاڑے سے پڑا ہے پالا اب تمنا جو ہے باقی تو یہی ہے ملیں</p>
---	---

طپش عشق سے دل رہوے مرا نرم سدا
 گرمی شعرو سخن سینہ رکھے گرم سدا

ثنوی مصدر تہذیب

<p>زیمیں پہ مہر کی جس دن کی تھی نظر پہلی مزاج جملہ عناصر کا اعتدال پہ تھا وہ صبح خلق میں بنیاد تھی زمانہ کی افق میں تھا کوئی کا فوراً اڑا رہا گویا کنار کوہ پہ سوچ تھا دیتا دکھلائی دکھا کے گوشہ ابرو ذرا چمک جانا کبھی پہاڑ پہ سر بھی ابھارتی تھا وہ دن جہاں میں تھا نور و روزگار کا ہوا میں فیض مہیا کی شان تھی گویا پڑے چھلکتے گلوں کے ایان تھے سائے</p>	<p>اور آفرینش عالم کی تھی سحر پہلی اور اعتدال سے جو کام تھا کمال پہ تھا اور ابت را تھی زمانہ کے کارخانہ کی زمیں سے تابفک فوراً اڑا رہا گویا کہ جیسے گیند طلائی ہوا میں لڑکائی لحاف ابرو میں منہ دیکھے پھر دبک جانا شفق کے خون میں پہ غوطہ مار لیتا تھا جدھر کو دیکھئے گویا کہ تھا بہار کا دن کہ آتی قالب بیجاں میں جان تھی گویا کھڑے لہکتے جوانان باغ تھے سائے</p>
--	---

سمو کا فیض جو ہر خشک تر پہ طاری تھا
دلوں کو موج کے دریا میں صراط نہ تھا
نہ خوفِ لطمہ و گردِ اب غوطہ بازوں کو
جو اپنی حد سے ہوا کچھ زیادہ ہوتی تھی

تو آبِ بحر بھی کس کس منے سے جاری تھا
ہوا کے صدمے سے رکھتا خطرِ حباب نہ تھا
نہ فکرِ یادِ مخالف کا تھا جہازوں کو
تو نا خداؤں کو بادِ مراد ہوتی تھی

زمین سبزۂ قدرت سے لہلاتی تھی
تمام دشت چمن در چمن پرٹے ہوئے تھے

صبا جو اُس پہ گزرتی تو لوٹ جاتی تھی
پہاڑ پھولوں سے من بھرے کھڑے ہوئے تھے

شعاعِ مہر کا بھتا ہر جگہ پہ کام جدا
ہوا میں پھیل کے مقیش تھی اڑا دیتی
جگہ میں شاخ کے پانی کو خوں بناتی تھی

ہر ایک کام میں کرتی تھی ہمتِ تمام جدا
زمین پہ چادرِ مہتاب تھی بچھا دیتی
اور اُس کے خون کو گلِ لالہ گوں بناتی تھی

نگاہِ ایک سی تھی سوے خشکِ تر اُس کی
کبھی جو تھی نگہِ لطفِ سرسری کرتی
کہیں جو سنگ کو گرمی سے تابِ تپتی تھی

گزر رہی تھی دلِ سنگ میں نظر اُس کی
تو دل میں کوہ کے تھی کمیاب گری کرتی
تو اُس کو لعلِ زمرد کی آب دیتی تھی

غرض کہ خلق میں دریا تھا فیض کا جاری
اُٹھی دما ئہ دولت سے دفعۂ یہ صدا
اُٹھو کہ صبحِ سعادت کی نوبت آئی ہے

اور اُن میں کارِ خدائی تھے جا بجا جاری
اُڑی جہاں میں تیرِ گنت بدکن یہ صدا
نظر کرو کہ عیانِ شانِ کبریائی ہے

صدائے ساتھ اُڑے سب کے خوابِ آنکھوں سے

دلوں سے اُٹھ گئے پردے حجابِ آنکھوں سے

نظر اٹھا کے جو دیکھا عیاں ہے شانِ خدا
جلوس ہے ملک القدس کا برفے سریر
زبسکہ ذات مقدس ہے اس کی ذاتِ کمال
صفات ذاتِ اراکینِ ولت اُس کے تھے

کھلا ہے فیض کا در پر بندگانِ خدا
نگاہِ درہ و خورشید ہے بسوے سریر
کھڑے ہیں ستِ اوبانڈھے صفاتِ کمال
بنائے دولتِ سامانِ صولت اُس کے تھے

زبسکہ فیضِ سحر تھے دلوں پہ چھائے ہوئے
تھی اعتدال پہ جو وہاں کی بات ہوتی تھی
شعاعِ مہر زیادہ چمک نہ سکتی تھی
کرن ہو تیز تو تھی دھوپِ ہاں سے ٹل جاتی

ظہورِ قدرتِ حق آنکھوں میں بہائے ہوئے
نہ دھوپِ تیز نہ تاریکات ہوتی تھی
اور اُس کی نوکِ نگہ میں کھٹکتی تھی
بہت جو ہوتی اندھیری توراتِ ڈھل جاتی

رواجِ عیب کا جلتا وہاں چراغِ نتھا
تھاراتِ دن کا برابرِ ٹٹلا حساب وہاں
ہوا کے وہاں چلن آکر درست ہوتے تھے
کبھی نسیم تھی آتی کبھی صبا آتی
کہ آبِ رنگِ جہاں رونقِ بہار سے ہو

دھواں مہی کا پہنچتا پئے دماغِ نتھا
ہمیشہ رہتا تھا میزانِ آفتابِ ہاں
جو صحرائے تُو زور اُس کے سُست ہوتے تھے
اور اُس روشِ شے پھوٹو نکو تھی سجا جاتی
پہ گل کے پہلو کو صدمہ نہ نوکِ خار سے ہو

جو طبع تھے وہاں آکے سیدھے چلتے تھے
زیادہ و کم کو وہاں اعتدال تھے گویا
جو بد مزاج تھے وہاں خوش مزاج ہوتے تھے

اور اُن کے نکلے کی مانند بل نکلتے تھے
جو بد تھے نیکِ صلاحِ حال تھے گویا
بسحوں کی کج روشی کے علاج ہوتے تھے

وہ شاہِ لطف سے تھا کر رہا جہاں پہ نظر

کبھی عیاں پہ نظر تھی کبھی نہاں پہ نظر

خدا کے بندوں پر الفت زبں تھی عام اُسکی
وہ جوش الفت دل کام کر کے پردہ میں
تھا حسن خلق جو پھیلا رہا شمیم اُس کی
دیا یہ حکم کہ تم سوئے خلق جاؤ ذرا
دلوں کی مملکتوں کا خراج اُس کو دیا
ہر ایک پھول کو سوزنگ بو سے چمکا کر
کیا بجانب ملک فنا روانہ اُسے

فروغ عام تھی مثل مہ تمام اُس کی
یہ ایک آنکھوں سے نکلا نظر کے پردہ میں
اسی پر خاص ہوئی الفت عمیم اُس کی
ہمارے لطف کا جلوہ انہیں دکھاؤ ذرا
بہار گلشن جنت سے تاج اُس کو دیا
اور اُس پہ شبنم آب حیات برسا کر
کہ ہو قیام قیامت ملک فنا نہ اُسے

غرض کہ خسرو اخلاق خلق میں آیا
یہ حسن خلق سے تسخیر کر لیا سب کو
بہار خلق سے اُس کے ہوا چمن عالم
شگفتہ روئی پہ صدقے بہار ہوتی تھی
وہ منہ سے بات جو کرتا تو پھول جھڑتے تھے
کیا نہ دل میں بد و نیک کا خیال اُس نے
جہاں میں بحر کرم اُس کی ذات تھی گویا
رہا زبک نہ محروم اُس ابر تر سے کوئی
تو مہج خوان ہوئے سب اہل روزگار اُس کے
اُمڈ کے لوگ یہ نزدیک دور سے آئے
وہ اس کے بندہ بے دام ہو گئے سارے

شبنم خلق سے باغ جہاں کو مہ کیا
کہ جیسے بستہ زنجیر کر لیا سب کو
اور اُس کے نور سے انجم کی انجمن عالم
دہن پہ خندہ جبینی نثار ہوتی تھی
جو چپ رہے تو چمن آکے پاؤں پڑتے تھے
ہر ایک کو کر دیا خوشحال حسد اُس نے
وہ ذات چشمہ آب حیات تھی گویا
پھر انہ خلق میں ناکام اُسکے در سے کوئی
دئے زمانہ میں شہرت نے ہشتہار اُس کے
کہ جیسے مور و تلخ ہوئے نور سے آئے
غلام خاص سے تا عام ہو گئے سارے

دراُمید کھلا تھا، ہمیشہ سب کے لئے

نہ حکم خاص تھا دن کا نہ قید شب کے لئے

دل سخی کی طرح تھا ہمیشہ وادربار
کہ بزمِ حشِن میں خلقت جو ایک بار آئی
بسھوں کو وہاں سے عطا خلعتِ خطائے
ظرافتوں نے بہت باغِ سبز دکھلائے
کہ شہ کی خدمتِ عالی میں سر بلند ہوئے
مصاحبوں میں ہوئے رفقِ رفعت سب اخل
بہت سے اہل ظرافت ہوئے میراُس کے
جو اُس کو مد نظر تھتا وہ مطلقاً نہ ہوا
قدمِ طریقِ وفا سے اکھڑ گئے اُن کے
سمجھ کے پی گئے سب اُس کو گھونٹ پانی کا
ادب کے قاعدوں سے انحراف کرنے لگے
حضورِ شاہ میں بیاباکیاں لگے کرنے
جو بات کہتی نصیحت تو نام رکھتے تھے

اگرچہ بہرید و نیک تھا کھلا دربار
زیادہ سب سے قباح ت یہ رو بکار آئی
تو خاصِ عام ہاں آ کے باریاب ہوئے
انہی میں ہزل و مسخر کے بھانڈ بھی آئے
لطائف اُن کے یہ دربار کو پسند ہوئے
رہے جو خلوت و جلوت میں و زو شب اخل
غرض کہ ہزل و مسخر ہوئے وزیراُس کے
اثرِ زمانے پہ اُس کا مگر بحبانہ ہوا
ادب کے طور طریقے بگڑ گئے اُن کے
ریادلوں پہ نہ رعب اُس کی حکمرانی کا
حیا و شرم اُدی سے خلاف کرنے لگے
ہر ایک بات میں چالاکیاں لگے کرنے
جس خلقِ تمسخر کا نام رکھتے تھے

اور اُن کے حال نے دکھلایا مال اُن کا
اور ایسی باتوں پہ کھتا نہ کچھ نگاہ تھا وہ
اور اُن کی آنکھوں میں شرمِ حیا نہیں باقی
لکھا کہ حالِ سراسر پہ پروبال اُن کا
کہ روئے داد جہاں رو بہراہ ہو جائے

یہ دیکھا خسروِ اخلاق نے جو حال اُن کا
اگرچہ خلق و مروت کا بادشاہ تھا وہ
پر اُس نے دیکھا کہ ان میں فانی نہیں باقی
رقم کیا ملکِ القدس کو یہ حال اُن کا
شتابِ چشمِ کرم سے نگاہ ہو جائے

وہ بزمِ قدس میں ساری پڑھی گئی عرضی

غرض جو تھی شرِ اخلاق نے لکھی عرضی

وہاں نگاہِ توجہ کمال اُس پہ ہوئی
بڑوں کی ساری بد اطاریاں بھی لکھی گئیں

بہت سی قدسیوں میں قیل قال اُس پہ ہوئی
ظرافتوں کی ستمگاریاں بھی دیکھی گئیں

غرض کہ نرم مقدس میں گفت گو کر کے
کھلا کہ ہو گئے بیباک یہ جو سارے ہیں
تو بے سبب نہیں گستاخیوں میں آئے ہوئے
سو قوتِ غضبی کو ذرا استلزا ہو
وہ حسنِ خلق سے مل کر دوا کا کام کرے

ہر ایک کے ظاہر باطن میں جستجو کر کے
اور اُس میں سارے بد اعمالیوں کے مارے ہیں
یہ حسنِ خلق کے پس سارے گل کھلائے ہوئے
کہ ساتھ اس کے عمل میں حکومت آرا ہو
جو دلِ مریض ہیں ان پر شفا کا کام کرے

غرض کہ قہر کو فرمانِ خسروانہ ہوا
چلا وہاں سے مگر اس کڑک مکے چلا
بسانِ اژدہ خونخوار اُٹھائے ہوئے
قضائے آگ کے سانچے میں اُس کو ڈھالا تھا
تین اپنیٹھے تھے غیر غلبہ و غضب کے مارے بال
تھے مارے طیش کے نتھنے پھرک رہے دونو
یہ بیچ و تاب میں تھا اپنے زہر کا مارا
غضب کے چہرہ پہ گویا جنوں برستا تھا
گر جتنی ابر کی اور آندھی اُس کے ساتھ تھی
خود اک بگولے کے اوپر سوار آتا تھا

بلا کی طرح سے وہ دفعۂ روانہ ہوا
کہ جیسے شعلہٴ باروت ہو بھڑک کے چلا
اور اُس پہ کلمہٴ شیرِ سیہ چڑھائے ہوئے
جلا ہوا تھا دلِ لیساکہ رنگ کالا تھا
کھڑے تھے شیر کی موچھو بچی طح سارے بال
برنگِ شعلہ تھے دیدے چمک رہے دونو
کہ دانت پمیتا آتا تھا قہر کا مارا
جو دیکھتا تو نگاہوں سے خوں برستا تھا
بجائے تیغ کڑک بجلی اُس کے ہاتھ میں تھی
غبار آگے اُڑاتا شرار آتا تھا

غرض کہ آیا اور اس آن بان سے آیا

کہ جیسے قہر خدا آسمان سے آیا

نہ اُس کا نیک تھا اپنا نہ بد بیگانا تھا
اور اُس کے آنے سے بھونچال تھے مائیں
اور اُن کے ساتھ ظرافت کہ تھی مہر و نمیں
سیریز میں نہ ملا زیرِ مسمان نہ ملا
بہت سے ترکِ اوب کے غتاب میں آئے
تو مارے ڈر کے جگر سب تھر تھرانے لگے
ہزاروں خنجرِ تعزیر سے ہلاک ہوئے
بہت کئے نہ کئے کی بلاؤں میں آئے
جو روتی آنکھ تو نالہ پکار سکتا نہ تھا

وہ اُس کا آنا جہاں پر غضب کا آنا تھا
پڑے تھے تہلکے دنیا کے کارخانے میں
وہ دو تو ہزل و تسخر جو تھے وزیروں میں
سب ایسے بھاگے کہ اُن کا کہیں نشان نہ ملا
بہت سے لوگ مقامِ حساب میں آئے
چٹنے سب پراوب کے جو تازیانے لگے
ہزاروں قمچوں سے پٹکے فرشِ خاک ہوئے
بہت سے اپنے کئے کی سزاؤں میں آئے
پراس کے ڈسے کوئی دم بھی مار سکتا نہ تھا

اور اُس کا قہر جو تھا سب پہ آشکارا تھا
نہ حال لکھتے تھے اخبار روزگار اُس کا

اگرچہ جو تھا جہاں میں غضب کا مارا تھا
پشکوہ کر نہیں سکتے تھے زینہار اُس کا

اور اُن کے حال میں ایک اک کا تھا مال کھلا
نہ درد و غم سے انہیں لنگار دیکھ سکا
اور اعتدال پر ان کے دلوں کو لاؤ بھی

مگر وہ شاہ کہ تھا جس پہ کل کا حال کھلا
نہ اپنے بندوں کا یہ حال زار دیکھ سکا
کیا اشارہ یہ تہذیب کو کہ جاؤ ابھی

تو بزمِ قدس سے تہذیب دھروانہ ہوئی
کہ جیسے رحمتِ حق آسمان سے اُترتی
نہ کوئی چتر جو اہر نگار تھا سر پر
اور اپنا چتر تھا طالع کی باوری نے دیا

اُدھر سے جب یہ عنایاتِ خسروانہ ہوئی
وہ سوئے اہلِ زمین ایسی نشان سے اُترتی
نہ اُس کے تاجِ درشاہوار تھا سر پر
مگر عمامہِ خالص اُس کو مشترقی نے دیا

تھے وہ جو علم نے خلعت اُسے پہنائے ہوئے
 اثر عدو کے خدنگ کلام کرتے نہ تھے
 کلام ہاتھ میں تھا آگے تیغ تیز لئے
 بناتی آتی تھی تدبیر سارے کام اُس کے
 تھی صنعت اپنے گل تر بکھیرتی آتی
 اُسی کے رنگ میں دولت تھی جگہ گاتی ہوئی
 اور اُس کے قامت میں پھٹکے ہوئے
 اور اعتراضوں کے تیر اُن کا پم کرتے نہ تھے
 تھے جو ہر اُس میں سخماے شعلہ بزلے
 خرد تھی کر رہی پردہ میں انتظام اُس کے
 اور ان کا رنگ زمانہ پہ پھیرتی آتی
 کہ دونو ہاتھوں سے تھی سیم زر لٹاتی ہوئی

فلک سے جبکہ زمیں پر وہ نیک نام آئی
 وہیں محاسن اخلاق بڑھکے ساتھ ہوئے
 وہ آپٹیتی آتی تھی تکنت کی چھڑی
 نہ بات ہر کس و ناکس سے تھی ذرا کرتی
 جو حکم کچھ سرد دربار بر ملا ہوتے
 تھی دور میں کی جگہ ہاتھ میں لئے اخبار
 خلاف وضع نہ تھی بات مطلقا کرتی

تو نظم خلق کا پہلا یہ انتظام کیا
 یہ حکم اُن میں بست اکید ہو نیا جاری
 زباں سے لفظ و معانی کو یاد کرتے ہیں
 اور اُن پہ رکھتے یقین ہل روزگار نہیں
 بدی کو اپنی وہ نیکی سے کیوں بدل نہ کریں
 اور انتظام ہو اس کا تمام عالم میں

غرض کہ پہلے ہی جو اُس نے جنم عام کیا
 کہ مد سے ہیں جو عالم میں جا بجا جاری
 کہ لڑکے یہاں کے جو محنت یاد کرتے ہیں
 مگر دلوں پہ اثر اُن کے زینہا نہیں
 اگر دلوں پہ اثر ہو تو کیوں عمل نہ کریں
 یہ حکم آج سے ہو جائے عام عالم میں

کہ لفظ جیسے بانوں پہ ہیں واں ہوتے
اب ان کے ساتھ مطالب کے بھی اثر ہوں

یہ اُن کو منہ سے ہیں بک بک کے نیچان ہوتے
دلوں میں ان کے یقیں کرتے کرتے گھر ہوں

یہ حکم جب ہو اور بار شاہ سے جاری
ادھر ادھر کو جو گھاتاں میں تھے لگے اخبار
ہو ایہ اتنے میں ایک حکم دوسرا جاری
نہ ان کی باتیں نہ بانوں پہ منحصر ہو ویں
کہ ان کا فیض مقاصد ہو عام عالم میں
ولیکن اُن کو بھی تا کسب یہ زیادہ ہو

ہو انتہا ابھی فقر کی راہ سے جاری
وہیں نہاں برباں اُس کو لے اٹھے اخبار
کہ جلسے انجمنوں کے ہیں جا بجا جاری
وہ سر سیا لوٹیں چھپ چھپ کے مستہر ہوں
رہیں علوم کے چرچے تمام عالم میں
کہ فائدہ کی جو کچھ بات دل نہادہ ہو

باتفاق اُسے مل جُل کے رو براہ کرو
اور اختلاف سے کاموں کو مت تباہ کرو

شہنوی شرافت حقیقی

میں پوچھتا نہیں ہرگز تمہارا نام ہے کیا
نہ خانوادہ سے مطلب نہ خانمان سے عرض
تمہارے کام گر اچھے تو نام اچھے ہیں

نہ یہ کہ نام بزرگوں کا اور مقام ہے کیا
یہاں تو نام سے کچھ ہے نہ ہے نشان عرض
گھرانے اچھے۔ گھر اچھے تمام اچھے ہیں

جہاں کی دولت و حشمت کا یاں خیال نہیں
کوئی امیر اگر ہے تو اپنے گھر بیٹھے

امیر ہو کہ فقیر اس سے کچھ سوال نہیں
بزرگ صاحب زرہ تھے تو لیکے زر بیٹھے

یہاں تو بایہ ہمت میں جو زیادہ ہے

بزرگ امیر تھے اور خود امیر زادہ ہے

مجھے نہیں ہے یہ پروا کہیں سے آئے کوئی
جو پاک نہر ہے اور آب صاف چلتا ہے
درخت سے نہیں کچھ کام جسکے پھول ہونم

کہیں سے بار توطن اٹھا کے لائے کوئی
تو کیوں یہ پوچھیں کہ چشمہ کہاں نکلتا ہے
کمال اصل تو جب ہے کہ با اصول ہو تم

عدم سے اُنکے کس خاک پر گرے پہلے
گزارا تم نے اڑکین ہے قصر شاہی میں
مجھے نہ فخر ہے اُس کا نہ عا ہے اس کی
کہ رکھتے ملک مروت میں سم و راہ ہو گیا

وہ کیا زمین تھی جس پر قدم پھرے پہلے
کہ جھونپڑوں میں پلے خواری و تباہی میں
مگر تلاش ہے تو بار بار ہے اس کی
دکھاتے ہمت عالی میں دست گاہ ہو کیا

میں پوچھتا نہیں تاجر کہاں سے ہے آیا
نہیں تلاش کہ لایا ہے ساتھ کیا چیزیں
میں چاہتا نہیں رزاں بیشے دلا دو مجھے
متاع حسن نبات و کان میں ہے کہ نہیں

گماشتہ ہے کہ رکھتا ہے گھر کا سرمایہ
سبک سبک ہیں ویاہیں گرا بہا چیزیں
خدا کے واسطے اتنا کوئی بتا دو مجھے
وفا کی حسن بھلی اس کارواں میں ہے کہ نہیں

یہ مانا میں نے کہ با عقل و ذی شعور ہو تم
نہ کچھ مقدمہ فہمی سے رکھتا کام ہوں میں
پر اُس کو خود غرضی میں نہ خرچ کرنا تم
زیادہ عقل زیادہ خراب کرتی ہے

مقام تجربہ کاری میں پہنچے دور ہو تم
نہ کرتا ضابطہ دانی میں کچھ کلام ہوں میں
کسی کے خون میں ناحق نہ ہاتھ بھرنا تم
ثواب ہاے خدا کو عذاب کرتی ہے

مجھے غرض نہیں کالج میں تم پڑھے کہ نہیں
کتا میں پڑھ کے جو کیں حفظ برزباں تو کیا
تمہارے خُلق پہ بھی کچھ اثر ہوا کہ نہیں
فقط جو عالم ذی شان ہو گئے تو کیا

مجھے غرض نہیں کالج میں تم پڑھے کہ نہیں
کتا میں پڑھ کے جو کیں حفظ برزباں تو کیا
تمہارے خُلق پہ بھی کچھ اثر ہوا کہ نہیں
فقط جو عالم ذی شان ہو گئے تو کیا

جو کچھ کہ منہ سے کہو اُس کا لو اثر دل میں
زبانِ دل ہیں ہم جب کہ ایک ہو جاتے
وگرنہ پڑھنے کو سب خاص عام پڑھتے ہیں

جو کچھ کہ منہ سے کہو اُس کا لو اثر دل میں
زبانِ دل ہیں ہم جب کہ ایک ہو جاتے
وگرنہ پڑھنے کو سب خاص عام پڑھتے ہیں

تمام جتن کہ پہنچائے فیض عام وہ علم
ہمارے آگے برابر ہے وہ ہوا نہ ہوا

جو مجھ سے پوچھو تو ہے پھر بھی تا م وہ علم
وہ علم جس سے کہ آدوں کو فائدہ نہ ہوا

مگر یہی ہے تمنا کہ ایسے ہو کے رہو
کہو کسی میں لیاقت ہو گریہ کہنے کی

مجھے غرض نہیں سب کچھ ہونم کہ کچھ بھی نہو
میانِ جلسہ جو آزاد پوچھے آگے کبھی

کہ با صفا۔ و سبک روح پاک جان ہم ہیں
تو تم جواب میں جھٹ بول اٹھو کہ یاں ہم ہیں

معرفت الہی

فصل گل آئی ہے بگوش و خروش
گل گلشن کی چلکے دیکھو بہار
میاں آزاد دم غنیمت ہے
گل و گلزار و یاسمن کی سیر
لطف گلشت ہو گیا بدنام
ہے ہر ایک امر کا علیحدہ طور
قصد کا اپنے بھی اثر ہے شرط
کہ جرمی خلق کے گماں میں ہیں
تو ہو پھر نقص اُس کا عین کمال
خاک سے تابہ گلشن افلاک
نہیں عبرت سے کوئی شے خالی
بکھن دست موعظت کی کتاب
ورنہ ہر برگ یہاں کا بولتا ہے
تو ہی مدہوش نشہ عمل ہے
کلید غم سے میں نکل آیا
ہوا گلزار میں گنہگار
پاکے ایک جا درخت کا سایا
کہ ہے عمر رواں حساب رواں

اُو آزاد بیٹھے کیا ہو خמוש
نیا پڑے کنج غم میں ہو بے کار
لطف صحبت بہم غنیمت ہے
پہل کے دیکھو ذرا چمن کی سیر
گرچہ ہر عوام کا لالہ عام
پر کر و دل میں تم جو اپنے غور
نیک و بد پر اگر نظر ہے شرط
سینکڑوں چیزیں جہاں میں ہیں
صرف ہوئے گر اُس میں حسن خیال
گل سنبھل سے تاخس و خاشاک
رکھتے جو لوگ ہیں نظر عالی
ہر ورق ہے شجر پہ بہر حساب
گوش عبرت نہیں تو کھولتا ہے
ہر زبان برگ گوش دل گل ہے
ایک دل ل جو میرا گھبراہ
دل تھا پڑ مردہ غنچہ وار مرا
پھرتے پھرتے جو دل میں کچھ آیا
بیٹھا میں بر کنار آب رواں

کی جو یکبار آنکھ اٹھا کے نظر
 اُترا اوپر سے جوں پیام سروش
 گرچہ گویا نہ تھی زبان مقال
 کہ اگر تجھ کو چشم بینا ہے
 نہیں مجھ میں ہے یہ رگ وریشہ
 صانع غیب کا ہے کار بدیع
 روئے ہستی پہ تھا نہ نام مرا
 فیض آب اور باد کی نرمی
 مادر خاک سے ہوئے جو دو چار
 منہ کو گردِ عدم سے صاف کیا
 سبز کو پل تھا جب نکالا سر
 کھائی میں نے جو اس چمن کی ہوا
 میرا یمن قدم یہ آیا راس
 زاو و برگ شجر ہوا مجھ سے
 بار مجھ میں نہ زینہ سار آتا
 تاج سر میں پئے نہال ہوا
 خسرو گل کا جب قشوں آتا
 سب کے سر پر تھا نخل کسایا
 جس سے سائے جہاں کو جت تھی
 شاخ گل تھی ہری بھری مجھ سے
 تھے فاقہ سے میری سرو آزاد

برگ ایک ٹوٹ کر شاخ شجر
 اور ہوا مرے زینت آغوش
 پروہ کتنا تھا فی لسان الحال
 تو یہ قدرت کی لوح بینا ہے
 دیکھ ان کو بہ چشم اندیشہ
 کلک صنعت کا ہے نگار بدیع
 تھارگ شاخ میں مقام مرا
 اُس کی نرمی و مہر کی گرمی
 روح جنبش میں آگئی یکبار
 سینہ شاخ کو شکاف کیا
 پروہ کو پل تھی غیرت گل تر
 دیا شاخ و شجر کو برگ و نوا
 ہو گیا ہر درخت خضر لباس
 گل کا آباد گھر ہوا مجھ سے
 پہلے برگ آتا پیچھے بار آتا
 مجھ سے سارا چمن نہال ہوا
 میرا پرچم پھتا پہلے لہراتا
 میرا سایا تھا نخل پر چھایا
 ہر مسافر کو استراحت تھی
 زیب و زینت چمن کی تھی مجھ سے
 مجھ سے زیبا تھا طرۂ شمشاد

چشم نرگس چمن کا جو بن تھی	برگ گویا زبان سوسن تھی
ساری ذات و صفات مجھ میں	گل میں جو کچھ ہے بات مجھ میں
کونسی بات مجھ سے چھوٹی ہے	مجھ میں اکسیر تک کی بوٹی ہے
مرحم زحمت جانِ خاطر ریش	برگ سبز است تحفہ درویش

ہر خنراں کو بہار لازم ہے
ہمت کو نیستی ملازم ہے

کھالو العربی کے لئے کوئی سدا راہ نہیں

ہمے سامنے کھلا ہو ا میراں چلے چلو	باغ مراد ہے ثمرافشاں چلے چلو
دیریا ہو بیچ میں کہ بیا باں چلے چلو	ہمت یہ کہ رہی ہے کھڑی ٹاں چلے چلو

چلنا ہی مصاحبت ہے مری جاں چلے چلو

ہمیں کوہ و دشت جیسے کہ پھولا پھلا چمن	دامن میں ہیں بھرے ہوئے نسیرج نسترن
نہیں ادھر ادھر ہیں میڈوں کی موج زن	اس دشت میں نہ دوڑ سکو بن کے گریہ زن

کبک درمی کی طرح خنراں چلے چلو

آؤ کہ کھولے اپنے نشان ننگ نام نے	باندھی کمر ہے کسے ہر ایک شاد کام نے
کیوں اس طرح کمر کو لگے تمہا کے تھامنے	دیوار باغ وہ نظر آتی ہے سامنے

سروسی کے سر ہیں نمایاں چلے چلو

یارو چلو چلو نہ کرو انتظار تم	کرتے ہو کیا امید میں دیار تم
میدان عزم و جزم کے ہوشہوار تم	بڑھ جاؤ گے کرو گے اگر مار مار تم

چلا رہی ہے ہمت مرداں چلے چلو

ہمت کے شہسوار جو گھوڑے اٹھائینگے	دشمن فلک بھی ہونگے تو سر کو جھکا ئینگے
طوفان بابلوں کی طرح بیٹھ جائینگے	نیکی کے زور اٹھ کے بدی کو دبائینگے

بیٹھو نہ تم مگر کسی عنوان چلے چلو

آئینہ دل کا گرد سفر سے اُجال دو	پوچھے کوئی ارادہ کہ صر ہے تو ٹال دو
شیطان جو شبہ ڈالے تو دل سے نکال دو	ہو خوف کا خیال تو بزدل پہ ڈال دو

اور آپ بن کے شیر نیستیاں چلے چلو

آگے بڑھو کہ اب نہیں تاب قرار ہے	کرنا ہے جبکہ کام تو کیا انتظار ہے
جو کچھ کہ معرکہ تھا لیا تم نے مار ہے	ہو تم بھی خوش کہ آئی خوشی کی بہار ہے

فتح و ظفر نے لے لیا میداں چلے چلو

رکھو رخاہ قوم پہ اپنا مدار تم	اور ہو کبھی صلہ کے نہ امیدوار تم
عزت خراج دیوے تو پھر کریں ہونوار تم	دو رخ کو آپ فخر سے رنگ بہار تم

گلشن میں ہو کے باد بہاراں چلے چلو

یار و چلو فلک پہ ستارے ہیں چل رہے	آب رواں ہیں چشموں سے بہ کر نکل رہے
جنگل میں کاڑاں بھی ہیں منزل بدل رہے	جو ختم رہے یہاں ہی خرد و وصل رہے

تھمنے کا یہ مقام نہیں ہاں چلے چلو

آؤ عیہ سفید کا فیصل حساب ہے	چمکایا چہرہ صبح نے با آب و تاب ہے
ظلمت پہ نور ہونے لگا فتیاب ہے	اور شب کے پیچھے تیغ بکفت آفتاب ہے

تم بھی ہو آفتاب درخشاں چلے چلو

نیکی بدی کے دیر سے باہم تھے معرکے	اب خاتموں پہ آگئے ہیں اُن کے فیصلے
قسمت کے یہ نوشتے نہیں جو نہ مٹ سکے	وہ گو نجا طبل فتح کہ میدان لے لئے

ہے کرتائے جنگ کی اماں چلے چلو

سلام علیک

خدا کی نظر آرہی شان ہے
ہوا سے جو سبزہ ہے لہرا رہا
ہری گھاس وہ لہا ہاتی ہوئی
کوئی دل جو مٹی میں ہے مل گیا
وہیں ایک پہلو میں تالاب ہے
یہ سبزی اُسی کے سہارے پہ ہے
لب آب جو ہیں شجر جھومتے
سما آج کل ہیگا برسات کا
درخت ایک جگہ ہیں جو چھائے ہوئے
تو ایک چھوٹے لڑکے نے وہاں آن کر
رکھا سامنے اپنا جزدان ہے
بہت لکھنے پڑھنے کا ہے ذوق اُسے
ڈھلا ہیگا دن بج چکے چارہ میں
لیکن دم صبح یا شام ہے
اسی شغل میں اب بھی مشغول ہے
خدا بنانے ہے ہاتھ میں کیا کتاب
اور آتی ہے جوں جوں سیاہی پہ شام
جُھکا جاتا ہے اس طرح غور سے

سہانا سا ایک سبز میدان ہے
تو ہے دیکھنے سے مزا آ رہا
ہوا لوٹ کر لہر کھائی ہوئی
تو ایک آدھ گل ہے کہیں کھل گیا
کہ دن دھوپ اور رات مہتاب ہے
درختوں کا جھرمٹ کنا رے پہ ہے
وہ ہیں جھک کے پانی کا منہ چومتے
مزدان کا ہے لطف ہے رات کا
ہوا دار بنگلے بنائے ہوئے
جگہ خوب موقع کی پہچان کر
ورق پر لگائے ہوئے دھیان ہے
یہی ذوق ہے اور یہی شوق اُسے
گئے سیر کو اس کے سب پار ہیں
شب و روز اسے کام سے کام ہے
بنا بیٹھا ایک مرد معقول ہے
کہ اس میں ہے ڈوبا چوہا ہی در آب
وہ شوقین لڑکا بذوق تمام
کہ کاغذ میں کیڑا ہو جس طور سے

نظر اُس کی جب ترمرانے لگی
 بہت بیٹھے بیٹھے جو تھا تھک گیا
 ملا کر ہم چھوٹے چھوٹے سے ہاتھ
 تھا فارغ جو ہو کر اٹھا کام سے

سیرِ شام سرمہ اڑانے لگی
 ایک انگڑائی لے کر وہ لڑکا اٹھا
 نلے چہرے پر لطفِ محنت کے ساتھ
 تو پھولا برنگ شفقِ شام سے

لگا کہنے خوش ہو کے وہ خوش کلام
 مبارک مبارک خوشا وقتِ شام

رکھا پھر کتابوں کو جزدان میں
 لگی ٹھنڈی ٹھنڈی جو منہ پر ہوا
 تھے دن کے تھکے ماندے جو جانور
 بہم مل کے آوازیں دینے لگے
 وہ مل جل کے آپس میں تھے بولتے
 درختوں پہ چڑیوں کی چوں چوں کہو
 جو سبزے میں جھینگرتھے برسات کے
 کئی غول طوطوں کے چھکار تے
 تھا لڑکا بھی حیراں یہ کیا ہو گیا
 کلوں میں سناٹے بھرتے ہوئے

ٹہلنے لگا آ کے میدان میں
 حواس اس کے آئے ٹھکانے ذرا
 وہ اپنے مقاموں پہ سب آن کر
 سیرے درختوں پہ لینے لگے
 کہ اپنی خوشش آوازیں تولتے
 جو سمجھو تو پھر یاد پے چوں کہو
 دئے چھیڑا انہوں نے بھی سررات کے
 گئے سبز سبز ایسے بل مارتے
 کہ میدان کا سبزہ ہوا ہو گیا
 وہ تھے اس طرح باتیں کرتے ہوئے

کہ خوش ہو کے بولا وہ رنگیں کلام
 مبارک مبارک خوشا وقتِ شام

کیا خاتمہ دن کا جب شام نے
 تولی گھر کی راہ اُس خوش انجام نے

ادھر اور اُدھر کو نظر ڈالتا
 کہ کچھ گائیں بھینسیں ملیں راہ میں
 ٹپکتی خوشی صورت حال سے
 بھرے دودھ سے تھن لٹکتے ہوئے
 کئی ساتھ ساتھ ان کے گوسالے تھے
 اور ایک گلہ باں پیچھے آتا ہوا
 ملیں راہ میں اُس کو کچھ بکریاں
 کئی بربری ان میں گلزار تھیں
 وہ دودوں نہائی تھیں پوتوں بھلیں
 پھلروا سے نیچے اچھلتے ہوئے
 محنت سے میا تا حباتا کوئی
 انہیں دیکھ کر گھر کے شوق نہیں شاد

چلا جاتا تھا دیکھتا بھالتا
 پھریں کھیت سے گھر کی تھیں چاہیں
 عجب جارہی تھیں لٹک چال سے
 کہ مشکیزے جیسے تھلکتے ہوئے
 کہ ماؤں نے تھن کے تلے پالے تھے
 تھا الغوزہ اپنا بجاتا ہوا
 اور ایک بوک بکرا رواں درمیاں
 پہاڑی تو دودوں میں سرشار تھیں
 کہ دن بھر تھیں چرچک کے گھر کو چلیں
 تھے اٹھیلیوں سے مچلتے ہوئے
 بہت تھک کے ماں کو بلاتا کوئی
 لگا کہنے خوش ہو کے وہ خوش نہاد

بھروسہ مادر سے اُلفت کے جام
 مبارک مبارک خوشا وقت شام

وہ لڑکا جو پہنچا بزدیک شہر
 دوکانوں پہ روشن سرچراغ
 جو رونق کہ نیچے دوکانوں پہ ہے
 دکھاتے جو ہیں روشنی دور سے
 تصاویر و نقشوں سے گلزار گھر
 کہیں مل کے بیٹھے ہیں کوٹھے پہ یار

نظر آئی یہاں اور ہی لہر بہر
 چراغوں نے گویا لگائے تھے باغ
 کچھ اس سے سوا بالا خانوں پہ ہے
 اڑی جاتی ہیں کھڑکیاں نور سے
 طرح دار کمرے ہوا دار گھر
 گئے شعر خوانی ہے گاہے ستار

غزل ریتختے کی ہے گاتا کوئی لطیفوں پہ اُڑتے ہیں جو قہقہے غرض ہر جگہ سے گزرتا ہوا گیا جب کہ گھر میں وہ روشن چراغ خوشی سے نہ جامے میں پھولوں سمائے سلام اس نے پہلے کیا باپ کو	ہے گاتا کوئی اور سبب تا کوئی کہاں یاد بلبل کو یہ چھپے تماشتے خدائی کے کرتا ہوا تو ماں باپ بھی ہو گئے باغ باغ بہن بھائی بولے وہ آئے وہ آئے جھکایا بہ حُسن ادب آپ کو
---	---

دُعادی یہ اُس نے بھی لے کر سلام
مبارک مبارک خوشا وقت شام

پچھا سخن میں تھا بڑا سا جو تخت لگا سامنے آکے دستار خواں فراغت ہوئے کھانے پینے سے جب برابر برابر بچھے تھے پلنگ فلک نیلگوں رنگ نکھرے ہوئے چمک کر چڑھا چرخ پر چاند تھا ادھر چاندنی نور پھیلا رہی وہ چھائی ہوئی رات تاروں بھری پلنگڑی پہ لڑکا تھا لیٹا ہوا پدر تھا جو تاریخ کا راز داں کبھی کرتا خود شعر خوانی تھا وہ دیا یہ مزا اُن حکایات نے	وہاں آکے بیٹھے وہ فرخندہ بخت بہم کھا کھلا کر ہوئے شاد ماں پچھونوں پہ آئے قرینے سے تب پرٹیں چادریں ان پہ مہتاب رنگ ستارے تمام ان پہ بکھرے ہوئے کہ سورج کا منہ کر دیا ماند تھا سیاہی ادھر رنگ دکھلا رہی کہ چادر ہو جیسے ستاروں بھری کہ بیٹا تھا شکر پٹیا ہوا سناتا تھا ہر دم نئی داستاں کبھی سنتا ماں سے کہانی تھا وہ کہ انگڑائی گرہوں پہ لی رات نے
---	--

ہوا آکے پنکھا ہلانے لگی
تھکے ماندے دن بھر کے تھے ہو رہے
بیاں کیا کروں رات کی شان کا
پڑا نیند میں مست سارا جہاں
پڑے سوتے سب ایسے مدہوش تھے
درختوں میں تھیں جو گزرتی ہوئیں
شب تار بھی نیند میں آن کر
ہمیشہ زمانے کا دستور ہے
کہ چمکا ستارہ سحر گاہ کا
ستاروں کی آنکھیں چھپکنے لگیں
شب تار کا رنگ فق ہو گیا
ہوئی یک بیک روشنی سی نمود
سحر کے جو عالم نمودار تھے
لگے بولنے سب سحر کے طیور
وہ لڑکا جو تھا بسترِ خواب میں

ہر ایک کو غرض نیند آنے لگی
دوپٹے لئے تان اور سو رہے
زمانہ میں عالم وہ سنسان کا
نہ تھے چور باقی نہ تھے پاسباں
کہ گھر پال تک بھی تو خاموش تھے
زمانہ پڑا کرتا تھا سائیں سائیں
سیہ چادر اپنی پڑی تان کر
اندھیرے سے کزناعیاں نور ہے
ہوا رنگ پھیکا سُرخ ماہ کا
تعجب سے مشرق کو تھکنے لگیں
چراغِ سحر جاں بحق ہو گیا
اُبلنے لگا دیگِ مشرق سے دود
دھوئیں اُڑ رہے تھے شب تار کے
گئی اُن کی آواز نزدیک و دور
ستارہ ہو جوں چادر آب میں

اُٹھا کر کہا اس نے تکیہ سے سر
سَلامٌ عَلَیْکُمْ مَبارک سحر



جسے چاہو سمجھ لو

قلم مرقع۔ عبرت نیا دکھاتا ہے
کہ سب تمہارا ساتھ کارخانہ اُسکے لئے
فنا کے سایہ میں کرتا وہ زندگانی تھا
مٹایا گردش گردوں نے آہ نام اُس کا

اور ایسے شخص کا ایک ماجرا سناتا ہے
یہی زمین تھی یہی تھا زمانہ اُس کے لئے
جو پوچھو کون؟ تو مجھو تمہیں سا فانی تھا
نہ آج نام ہے اُس کا۔ نہ کچھ مقام اُس کا

پراتنا سچ ہے کہ نگین شاد ہونے سے
کبھی اُمید سے اور گاہ نا اُمید سی سے
جو ایک رنگ تھا آتا تو ایک جاتا تھا
یہ دل جو سینہ میں جنبش ہے وہ دم کرتا
دماغ میں جو خیالوں کا آنا جانا ہے
ہماری ہمت عالی کا اوج پر جانا
غرض اٹھانا یہ کیفیتیں ضرور تھا وہ

خوشی کے ہنسنے سے اور درد و غم کے رونے
کبھی خطر کی خبر گاہ خوش نویدی سے
خیال اس کا مرقع نیا بناتا تھا
کہ ہے اسی پہ ہر ایک زندگی کا دم بھرتا
کوئی یقین ہے کوئی دھم کا فنا ہے
کبھی بہ جبر کبھی خود بخود اُتر آنا
کہ آخرش یہی انسان با شعور تھا وہ

جو تم ہو دیکھ ہے وہ یہ سب ہے دیکھ چکا
جو کچھ کہہ سکتے ہو تم آج سہ چکا ہے وہ
مگر میں کیا کہوں مجھ کو تو اب یہ رونا ہے

جہاں کے شام و سحر روز و شب دیکھ چکا
جو کچھ کہ آج ہو تم ایسا رہ چکا ہے وہ
کہ جو وہ آج ہے ایک دن تم کو ہونا ہے

یہ روز و شب کہ در سال کے حساب میں ہیں

یہ سال ماہ جو موسم کے انقلاب میں ہیں

بہت سے میوے بہت سے لٹا جیتے ہیں
یہ فرش خاک کہ سب کاروبار ہیں جس پر
جسٹس کے طوق گلو زندگی کا قصہ تھا
یہ سب کچھ اب بھی ہے پر اُس کو کچھ خبر بھی نہیں
بلا سے اس کی نما نہ ابھی فنا ہو جائے
وہ ابھی جب نہوا پھر جہاں ہوئے نہ ہوا

ہمارے سرسبزہ کو تاج دیتے ہیں
یہ ابر و باد کہ سارے مدار ہیں جس پر
تو ساری محنتوں سے لیتا اپنا حصہ تھا
جو ہو تو نفع نہیں گر نہ وضرر بھی نہیں
ویا کہ ملک فنا گلشن بقا ہو جائے
نہیں ہوئی نہ ہوئی آسماں ہوا نہ ہوا

صبح و شام چوٹھنڈی ہو اٹھنڈی ہیں
یہ مہر و ماہ کہ جن سے جہاں روشن ہے
کسی میں دور کا اس کے نشان نہیں باقی
قضا نے لیکے الٹی کہاں چھپایا اُسے

یہ سال ماہ کی فصلیں جو آتی جاتی ہیں
ستارے جن سے زمین آسماں روشن ہے
پتا تملک بھی تہ آسماں نہیں باقی
زمین کھا گئی یا آسماں نے کھایا اُسے

کسی کے حسن پر پوش کا وہ دیوانہ تھا
پر اب جو دیکھو تو وہ غیرت کپی بھی نہیں
فنا کے بزم میں ساقی نے اُس کو جام دیا
طبیب آئے تھے لیکن کوئی دوا نہ چلی
فلک نے موت کا جام آخر شرب پلایا اُسے

اور اُس کے تیرا دا کا ہوا نشانہ تھا
وہ اُس کے ناز وہ انداز دلبری بھی نہیں
مرض کا نام کیا موت کا پیام دیا
خود آیا حسن سفارش کو پر ذرا نہ چلی
دیاں گور سے گویا زین نے کھایا اُسے

زل کی صبح کہ جس میں جہاں ہوا پیدا
کتاب عمر جہاں آج تک پڑھی میں نے

اور اُس کے ساتھ ہی گویا ہوئی فنا پیدا
ورق ورق ہے تیرا بیخ دیکھ لی میں نے

ہر اک کاراز ہے اُس میں کہیں کہیں گھلتا | پر اُس غریب کا احوال کچھ نہیں گھلتا

بہت ہوں فکر سے کہتا کہ کچھ بتا تو سہی
ہے وہ بھی اتنا ہی کہتا کہ کوئی تھا تو سہی

جغرافیہ طبعی کی پسیلی

جو منشی ذکاء اللہ صاحب پروفیسر زباناہائے مشرقی

کی نثر سے نظم کی گئی تھی

گر غور سے دیکھو تم
صنعت کے تلاطم میں
یا پانی کا قطرہ ہے
جس پر قلم قدرت
اور کرتا ہے گلکاری
سو رنگ دکھاتا ہے

ہنگامہ ہستی کو
ہر خشک و تر عالم
جو خاک کا ذرہ ہے
حکمت کا مرقع ہے
انداز سے ہے جاری
اک رنگ کہ آتا ہے

آنکھیں تو گھلی ہیں پر
بلور کے ٹکڑے ہیں
قدرت کے تماشے ہیں

اور دیکھنے والوں کی
خرمہرہ رنگیں - یا
ہر لحظہ و ہر ساعت

عالم میں پڑے ہوتے
ہرگز کہ یہ سب کیا ہے

پر اُن کو نہیں پروا
اور ہے تو سبب کیا ہے؟

ایسے بھی مگر اکثر
جو کھولے ہوئے ہر دم
دُڑہ ہو کہ ہو سورج
ہر جلوہ قدرت میں
سرمایہ بینائی
یہ آنکھ پہ ٹھیک آئی
گرمی ہو ویسا سردی
حکمت کا معما ہے
فقطہ ہے اگر اُس میں
عقدہ ہے اگر اُس میں

ارباب بصیرت ہیں
ہیں دیدہ عبرت کو
معنی ہو کہ ہو صورت
سُرمہ انہیں حکمت کا
اور عینک عبرت ہے
جس سے کہ زمانہ کی
یا ہووے ترخی خشکی
قدرت کی پہلی ہے
ہے عتدہ سربتہ
ہے نکتہ برجستہ

اک سیدھی سی بات اُفت
وہ یہ ہے کہ دو چیزیں
آپس میں جو رکھتی ہیں
اولاد سے جن کی سب
نقلی نہیں افسانہ
اور پھر انہیں دونو کو
ماں بیٹی کا ہے ناتا

آئی ہے تصور میں
کیا ایسی ہیں دنیا میں
پیوندِ زنا شوئی
آباد زمانہ ہے
سب نے اسے مانا ہے
دیکھو جو نظر بھر کر
دونوں میں نظر آتا

پیدائشیں لاکھوں میں
رشتوں کے سررشتے میں
دیکھنا سنا کوئی

شورشگرِ عالم میں
اصول کی بہت نسلیں
اس پیچ کا پررشتہ

جو آگے تیرے بولے
ہاں یہ کہ مگر تو ہی
دے آپ جواب اپنا

آزاد۔ بھلا ہے کون
یا بند گرہ کھولے
کہ سن کے سوال اپنا

ہے عقد زن و شوہر
خشکی و تری جن سے
پیدا و ہویدا، میں
جیوانی و انسانی

وہ دو کہ بہم جن میں
عالم میں ہیں دو جوہر
صنعت کہ قدرت میں
سب عالم جسمانی

گر غور کرو دل میں
جس رنگ میں جی چاہے
قطرہ ہو و یا دریا
یا نام کو نم ہو وے
گزریگا تو دیکھو گے
اس میں سے ہویدا، میں
آغوش میں پیدا، میں

اور دوسرے رشتہ سے
تو دیکھ لو پانی کو
بادل ہو کہ ہو باران
شبِ نم سے بھی کم ہووے
اک عرصہ خاص اُس پر
خشکی کے نشان ہوتے
یا بچے ہیں۔ جو ما کی

کیوں قبلہ من دیکھا کیا بوجھے کوئی پنڈت ہاں سمجھیں میاں آزاد سنبل ہے پسبزہ میں	یہ طرفہ معما ہے یا فلسفی و ملاح یا منشی ذکاء اللہ پھولوں میں چنبیلی ہے
کون اس کو بھلا بوجھے حکمت کی پہیلی ہے	

مبارکباد جشنِ جوہلی

اے خوشی آتیرے آنے سے نہانہ روشن اے خوشی آتیرے آنے سے ہے گھر گھر شادی یادیں بیٹھے تھے یارانِ دل آگاہ تیری	اے کہ تو آپ ہے روشن تیرا آہنا روشن ہے تیرے آنے سے ہر لب پر مبارکبادی ساہا سال سے تھے دیکھ رہے تھے اہ تیری
ہم خوشی اُس کو نہیں کہتے جہر سال آئے کبھی عیدِ رمضان ہو کبھی عیدِ قمریاں عیدیاں بانٹ کے بچوں کے جودل شاد کرے	خلعتِ عید میں منہستی ہوئی خوشحال آئے ہاتھ پھیلائے گلے ملتے ہوئے ٹھوسے جواں ہول ہنگامہ سے بازاروں کو آبا د کرے
خوشی اُس کو بھی نہیں کہتے جو نورِ فرشتے سبزہ و گل میں عیاں عالمِ نیرنگ کرے	گلِ گلشن کے لئے جشنِ دلِ فروز سے ہو خاک کو بستر کرے سبزہ کو گلرنگ کرے

وہ خوشی کیا کہ ہو رخ جس کا فروزاں شربے
جا بجا ساتھ کھلونوں کے مٹھائی بانٹے
خوشی اُس کو نہیں کہتے جو کے نام نہ خوش

اور دوالی سے کسے جشن چراغاں شربے
کہیں آنا کہیں پیسا کہیں پائی بانٹے
امتحان لیکے کر بے بچوں کو انعام نہ خوش

وہ خوشی کیا کہ جو گھر بٹھکے ہم آپ کریں

ہر برس ساگرہ بچوں کی ماں باپ کریں

ہے حقیقت میں خوشی وہ کہ بافضال خدا
جب باقبال چشم گزریں اُسے سال بچاس
ہووے لاہور میں دربار نشاط و شادی

ہند پر قیصرۃ الہند ہوں فرماں فرما
جا بجا جشن خدا ساز کے ہو ویل جلاس
اور پڑھے اُن کے آزاد مبارکبادی

یہ خوشی وہ ہے کہ دل جس سے نہیں خنداں
ہے خوشی عام دلوں کے لئے و جاں کئے
کہتے ہیں بندہ بے ام و دم حاضر ہیں
کہ وہ سارے تھے جو ادبار کے مارے پھرتے
سر پرست اُن کا نہیں کوئی زمانہ میں رہا
اس برس پرورش عام جو مہندول ہوئی

یہ خوشی وہ ہے کہ ہو عید بھی قرباں قرباں
یہ خوشی عام ہے ہندو مسلمان کے لئے
اور اگر جان کا موقع ہو تو دم حاضر ہیں
اور سعادت پہ نہتے اُن کے ستارے پھرتے
حال باقی نہیں کچھ اُن کے فسانہ میں رہا
واسطے اُن کے بھی تدبیر ہے معقول ہوئی

ہوئی مشہور زمانہ میں جو یہ خوشی بھری
کہیں سال ہے کہیں بے بُراں خوش ہیں

گھر گھر دل کی مہیوں نے ہے کی جلوہ گری
یہ خوشی وہ ہے کہ ہندو مسلمان خوش ہیں

رات درگاہ الہی میں دعا کرتے ، میں

دن کو پھرتے ہیں تو شکر لے داکرتے ہیں

حضرت قیصرۃ الہند کی ہوسم دراز
اُن کی اولاد سے آبادیاں بادرہیں

ان میں ہے بندہ آزاد یہ کتابہ نیاز
اُن کے فرزند سدا خرم و دلشادر ہیں

جاری اس حبش مبارک کا سدا دور رہے
روشِ گردشِ دولا ب یہی طور رہے

ایک تارے کا عاشق

اُس کے دیدار کا دلدادہ و شیدا بنی تھا
اور وہی رات دن آنکھوں میں سما ہوا تھا
چشمِ حیرت میں نطائے کا سہارا تھا اُسے
اور انہیں اپنے ستارہ پہ تھا وار کرتا
دل کے سب از و نیاز اس سے ادا کرتا تھا
منہ ہی منہ میں سخن اس سے بیاں کہنے لگا
مگر اس عاشقِ دلدادہ سے کیوں دور ہے تو
سرد مہری سے مگر کیوں ہے چھلکتا پیار
چشمِ حسرت کے سوا حرفِ حکایات نہیں
ہائے چھاتی سے تجھے اپنی لگا لوں کیونکر
یوں ہو مرناتو ہے سوار مبارک مرنے
جامِ دل جو شِ محبت سے چھلکتا تھا پڑا
دفعۂ جنبشِ دھڑلے ملاقات نے دی

ایک سخنور کسی تارے کا تماشا بنی تھا
دل سے ہ چاند کا ٹکڑا اُسے بھایا ہوا تھا
وہ ستارا کہ ہوا آنکھوں کا تارا تھا اُسے
اوجِ معنی سے مضامین تھا اتارا کرتا
چشمِ حیرت سے نظر اس پر سدا کرتا تھا
غم جو ایک شب اسے بیتاب توں کرنے لگا
ہے تو توڑ شکِ پری غیرتِ صدور ہے تو
منہ تیرا مہرِ صفتِ ہیکا دکھتا پیارے
اے وہ تو جس پہ کہ قابو کی کوئی بات نہیں
ہیں جو ارمان بھرے دل میں نکالوں کیونکر قطع
دمِ نکل جائے تو ہو یار مبارک مرنے
اپنے تارے کو جو حسرت سے بیٹھا تھا پڑا
اُد میت اُسے تباہ اس کے خیالات نے دی

بن کے عورت کشش عشق کی ماری آئی
 بولی پھر اُس سے کہ اے شاعر شیدا میرے
 کشش شوق نے تیری مجھے بلوا ہی لیا
 یہ تو بتلا کسی عورت کی ہے چھاتی اچھی
 سنی شاعر نے جو یہ بات تو شرمایا بہت
 بولا افسوس وہ تارا جو اڑاتا تھا مجھے
 آج وہ نور فلک ہاتھ سے کھویا میں نے

آسمان چھوڑ میں پر وہ بچا سی آئی
 شوق دیدار تھے دل میں تیرے کیا کیا میرے
 تو وہ عاشق ہے کہ آخر کو مجھے پا ہی لیا
 یا کرن تارے کی شب کو نظر آتی اچھی
 بلکہ شرمایا نہیں جتنا کہ پہنچنا یا بہت
 آج افلاک پہ کھینچے لئے جاتا تھا مجھے
 بولی وہ اپنا بھی کام آج ڈلویا میں نے

تو نے گردوں پہ چمکتا ہوا تارا کھویا
 میں نے یہاں عاشق شیدا سخن آرا کھویا

محنت کرو

ہے متجاں سر پہ کھڑا۔ محنت کرو محنت کرو
 بیشک پٹھائی ہے سوا۔ اور وقت ہے تھوڑا رہا
 شکوے شکایت جو کرتے تھے۔ تم نے کہے ہم نے
 محنت کرو انعام لو۔ انعام پر اکرام لو
 جو بیٹھ جائیں ہار کر۔ کھدو نہیں لکار کر
 تدریس ساری کہ چکے۔ باتوں کے دیا بہ چکے
 بی بیچ اگر ڈالو گے تم۔ دل سے اسے پاؤ گے تم
 محنت جو کی جی تو کر۔ ہر شوق سے منہ موڑ کر
 کھیتی ہو یا سو آگری۔ ہو بھیک یا ہو چاکری

باندھو کم بیٹھے ہو کیا۔ محنت کرو محنت کرو
 ہے ایشی کل بات کیا۔ محنت کرو محنت کرو
 جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ محنت کرو محنت کرو
 جو چاہو گے مل جاؤ گے۔ محنت کرو محنت کرو
 ہمت کا کوڑا مار کر۔ محنت کرو محنت کرو
 ہک ہک سے اب کیا فائدہ۔ محنت کرو محنت کرو
 دیکھو گے پھر اس کا مزہ۔ محنت کرو محنت کرو
 کرو گے میں فیصلہ۔ محنت کرو محنت کرو
 سب سبق یکساں سنا۔ محنت کرو محنت کرو

جس دن بڑے تم ہو گئے دنیا کے ضد نہیں بھینسے

پڑھنے کی بھر فرصت کجا محنت کرو محنت کرو

بچپن رہا کس کا سدا۔ انجام کو سوچو ذرا
یہ تو کہو کھاؤ گے گیا۔ محنت کرو محنت کرو

قصیدہ در تہنیت ولادت جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

جہاں کی شادی و غم کا نہ کر خیال آزاد
بدلتی رہتی ہے ہر دم ہوا زمانہ کی
ہمیشہ رہوے اگر ایک حال پر عالم
ہیں ایک دم میں بدلتے جہاں کے رنگ
نہ ہیں خستہ رائے قافوں نہ ملک قیافوں
نہیں فساد غمے کی کبھی یہ دار حدوث
ہوا کے گھوڑے پہ جاتے ہوں جہلیماں
کہاں ہے لشکر عدا اور کہاں ہے قہر نمود
کہاں ہے مملکت بخت و نصیر سکندر
کہاں ہے حکمت لقمان و عقل اسطالیس
ہے آب آئینہ خاک ان اسکندر
و بال ووش ہے زیریں بھی باز عذاب

کہ عیش و عشرت عالم ہے موج جنبش باد
کبھی صبا کبھی صرصر کبھی ہے گرد آباد
تو کہوے کون کہ حادث ہے عالم ایجاد
عجب بنا پہ ہے بنیاد قصر سج شاد
نہ بوستان ارم ہے قصرات عمار
کیا ہے عالم فانی بناے کون فساد
ہوں میں فرشتے میں جن سبط ماجد
کہاں ہے لشکر فرعون جاہ ذی الاقداد
کہاں ہے شوکت ہامان و نخوت شداد
کہاں ہے خم فلاطون و گنبد فولاد
ہے زرد و عیے قاروں شہیر شہر و بلاد
کہ بخت نصر کو بختی کہے ہے لعنت باد

کہاں ملاحت لیلا و خوبی عندرا
 وہ ستر ناز ملے بسکہ خاک میں بکھر
 نہ کیونکہ ناطقہ ہو سرمہ در گلوے بیاں
 جو ملک ہو ویں جہاں سوت ارم تریش
 وہ اہل فہم فراست وہ اہل علم و کمال
 مٹا دے نام نشان اُن کا لوح ہستی سے
 کہ جیسے مل گئی آنکھوں کے آگے خاک میں ہے
 اگرچہ ذکر گذشتہ فضول ہے لیکن
 کہ وہ زمانہ بھی ہے یاد تم کو حضرت شل
 عجب مرنے سے گزرتی تھی زندگی باہم
 نہ ہم کو جان کا ڈر تھا نہ تم کو مال کا غم
 نہ ہم اسیر محبت نہ تم اسیر بلد
 کہ اس میں آئی رجب کے جو تیرھویں تاریخ
 ہو اے عیش و طرب سے برنگ غنچہ و گل
 زہے نشاط کہ پہنچے بگوش چرخ بریں
 ہوئے سب انجمن آرا جو آ کے ایک جا پر
 اور اُن میں آنکے مانند عندلیب بہار
 کہ کہتے اہل نہیں تھے زمیں پہ صل علی
 یاب خدانے وہی جن جہاں میں دکھلایا
 دلا جو کچھ کہ تھا سراپا بساط جہاں
 کہ جی کو صبر ہے تن میں جاں نہ چشم میں خوا

کہاں ہے لجت چینی دلبر نوشاد
 اسی الم سے پریشاں ہے طرہ شمشاد
 کہ دیوے کوہ جواب اور ندے صد افراد
 جو قصر ہو ویں فلک نعت و جبل بنیاد
 کہ ہو ویں عقل میں ہر فلک کے بھی استاد
 بسیل حادثہ اسطرح چرخ زشت نہاد
 سوا و دہلی و جمعیت جہاں آباد
 ہوں آسخن اتنا ذرا دلاتا یاد
 جو ایک جا پہ تھے ہم اور تم کہیں آباد
 کہ تم بھی شاد تھے عالم میں و ہم بھی شاد
 نہ ہم کو فکر معاش اور نہ تم کو فکر معاد
 جو تم ہر امر میں بے قید تھے تو ہم آزاد
 ہجو عیش سے عالم ہوا نشاط آباد
 ہوئے شگفتہ دل مومنان نیک نہاد
 صدائے تہنیت شادی و مبارکباد
 تو تنگ ہو گیا میدان گلشن ایجاب
 ہوئے وہ زمزمہ پرداز ہم علی اللہ شہاد
 فلک پہ کہتے تھے اہل فلک کہ رحمت باد
 پڑی ہے از سر نو طرح عیش کی بنیاد
 اگرچہ صر صر آفت نے کر دیا برباد
 کہ میں تضرع ہوں ناشکیب و ثنا شاد

برصدق دل سے ہے گردِ عوئے دلائے علی
 خوشی کو چھوڑ کے کر غم میں اہمیت کے غم
 رہا نہ جُبَّہ و دستار اگر سرور میں
 چمن سے گریچ جدا ہو کے ہے غراب البین
 کہ اپنا فخر تو ہے بندگی آل نبی
 نہ بھولے مانگ کبھی اپنی بلبس و قمری
 نہ جائے مر کے بھی اہل ہنر کا جو طربح
 غرض حضور میں ہوتا ہوں چلکے مدح سرا
 پڑھوں وہ مطلع پر نور رشک صبح بہا
 پڑھوں مطلع پر نور مہمنت آمود
 عجب نہیں ہے کرے گریبا عتفا و تمام
 وہ یہ ہے مہر عقیدت کا مطلع پر نور
 تو وہ امام کہ تو نے مجھے کیا آزاد
 نہ کیونکہ دو نو گھر آباد تجھ سے ہوں کہ ہے تو
 نہ کیوں کہ ارض و سما تجھ پہ ہوں کہ ہے تو
 تو وہ ہے جو ہر اول کہ تیری ذات تری
 تو ہے ائمہ دین ہدے کا راس رؤس
 شہا جو فیض کرم ہو ترا بہار افشاں
 جو تیرا دست حمایت ہو عامئے ضعفا
 جو تیرے خوف سے قالب تھی کس ظالم
 زمیں سدا ہے پھر کی کی طرح گردش میں

تو دیکھ پیر طریقت کا بھول مت ارشاد
 غم اپنا بھول کے شادی میں اُن کی ہو نشاد
 تو کہدے ہو کہ سبکدوش درو سر کم باو
 مگر صد اکونہ بھول اپنی کر خدا کو یاد
 ہے اپنا کام تو مدح ولی رب عباد
 قفس ہو یا سر گلبن ہو یا تہ شمشاد
 کہ کشتہ ہو کے بھی ہے قاطع مرض فواد
 کہ نرم دہریں ہے عید فرحت میلاد
 کہ جس کو سن کے زر گل پہ بیٹھے گو کُسا
 کہ جس کو پڑھکے ملک دیں بہم مبارکباد
 برے ورد و شب روز اس کو قبر یاد
 کہ ہووے مطلع صبح ظائف واداد
 میں وہ غلام کہ ہوں اب بھی بندہ متقاد
 خدا کے گھر کا چراغ اور رسول کا داماد
 نبی کا نائب و روح الامین کا اُستاد
 پئے وجود دو عالم ہے علت ایجاد
 تو انبیائے سلف کا فَلَذَّة الاکباد
 تو رشک گلشن جنت ہو گلخن جواد
 تو ٹوٹے بیضہ قمری سے بیضہ فولاد
 نیام خنجر بیدم ہو خنجر فولاد
 جبالِ علم ترے گرد اس میں ہوں اوداد

ترے مصلح حکمت جو دیویں استحکام
 جو یافتادوں کا عالم میں دستگیر ہو تو
 نہ ہو امانت اگر تجھ سے مستند شایا
 شہانہ عد فضائل ہو تیرا عشر شیر
 کہ بہ عمل میں سرفرو عقل ہند سداں
 وہ نور حق ہے تو اسے فخر دودہ آدم
 ترا ثبوت فضائل ہے کسر شاں تیرا
 مقابلہ کس ناکس سے تیرا عالم میں
 کہ ذات حق سے ہے تو وصل مثل جو ہر فرد
 شہا منازل دنیا سے کام کیا تجھ کو
 سر نیاز رکھیں ہیں جو سنگ در پہ ترے
 رہینگے امن شت نجف میں ہو کے غبار
 ہزار ظلم سہیں یک تیرے در کے سوا
 فلک سے آگ بھی بستے تو منہ سے فکریں
 ولای ساقی کو ترے ہو کے مست الست
 پر اب نگاہ کرم چاہئے ہے یا مولا
 غلام کا تو شہا کام ہے خطا کاری
 بس اب کرم کی نظر کیجے برائے حسین
 نہ آستانہ دولت سے رکھئے دور مجھے
 مرا تو عقدہ مشکل رہے حضور کے ہاتھ
 جو کچھ کہ گزرا ہے سب ہے حضور پر روشن

جباب بھرموں رشک بروج سبج شداد
 تو شعل تاک بھی اٹھ کھڑا ہو جو شمشاد
 کتاب ہر سے ہوں محو معنی اسناد
 ہزار بار ہوں قاصر مراتب اعداد
 الوت ہو ویں مات اور مات ہوں احاد
 کہ ہے بدیہ عیاں شکل جامع الاضداد
 رواج عالم خاکی میں تیرا عین کساد
 مثال آئینہ مہر و کور مادر زاد
 نہ وہ حذف کہ جو ہو ویں ثلاثہ الابداد
 ترے غلام ہیں قید و کون سے آزاد
 نہ یاریں بھوکے ٹھوکر تاج و تخت و قباد
 بلاے خاک میں گردوں یا کرے بر بلا
 کہیں نکالیں نہ دست قظلم و سیراد
 کہ سببیل سے پاتے ہیں آب یہ شمشاد
 خمار دہر سے بخود میں ہر چہ بادا باد
 غلام خاص سے ہے منتخب یہ خانہ زاد
 تمہاری ذات سے عفو و کرم کی ہے بنیاد
 شہید و تشنہ فولاد و خنجر بیداد
 کہ مشت خاک ہے عالم میں صبر و برداد
 پڑے ز دست خلاق میں سکے بست کشاد
 کہ گھر تباہ ہوا اور خانہ سال برداد

پہ لاکھ شکر کہ ثابت قدم ہے لایتک
 ہوا ایسے حال میں پر خاک زندگی کا لطف
 نہیں ہے قطرہ خونِ دل میں نام کو لیکن
 زبس بیکانہ و بیگانہ سب ہیں تشنہٴ خوں
 پڑھی بلا پہ بلا اس قدر کہ آنکھوں میں
 برنگ ہو کے زمانہ کے ہاتھ سے ہر دم
 پھڑپھڑ ہوں اڑتا دھڑکا دھڑکا دھڑکا
 حصا چرخ سے جاؤں مگر نکل کے کہاں
 کرم کی ہو نظر اے آفتابِ عز و شرف
 بسل ب تو ہو شبِ احتِ نصیبِ جانِ جزیں
 کمی ہے حضرت عالی میں کونسی شے کی

اگر چہ پیل حوادث نے توڑ دی بنیاد
 زمانہ برسرِ کیس چرخ برسرِ بیداد
 ہیں اشک چشمِ رواں مثلِ وجہِ بغداد
 کرے ہے موے بدنِ بکارِ نشترِ قصّاد
 جہاں سیاہ ہے مانند کورِ مادرِ زاد
 ٹھکتی دل سے صدا ہے کہ یا علی فریاد
 بگرد و باد حوادثِ بسانِ کاغذِ باد
 کہ گھیرے بیٹھے ہیں ستوں کو زادہٴ ٹائے زیاد
 کہ چھائے عالمِ ہستی میں ظلمتِ بیداد
 کہ میں بھی بیٹھ سکے روشن کروں چراغِ مراد
 عطا ہوں مطلبِ دلِ حد آرزو سے زیاد

رجوع قلب سے سب مومنین کہیں آمین
 بحقِ احمد مرسل و آلہٴ الامجاد



نوطر زمر ص

مکمل

۴

شملہ پہ مجھ کو موسم سرما بسر ہوا
اور جو تھے ہوئے تھے وہ سنج ہو کے جم گئے
دہکا کھاف ابر میں منہ کو لپیٹ کر
باہر چلو تو دامن کو ہمار تھے سفید
اور تھے درخت برف نے باور کر دئے
گھر سے نکل کے آگے ٹہلتا چلا گیا
ہمت کے ہاتھ میں ہے اٹھائے نشان

اقبال اک برس جو مرا تاج سر ہوا
جاڑے کے مارے چلتے ہوئے پانی تھم گئے
دامان کو ہسار میں سورج بھی لیٹ کر
دیکھو جو گھر تو سب در و دیوار تھے سفید
پتے تھے آکے جاڑے نے سب دور کر دئے
اک رات بیٹھے بیٹھے جو میں تنگ آ گیا
دیکھا کہ دوڑا جاتا ہے اک تازہ نوجوان

ہے اُس پر روشنی سے لکھا ہاں بڑھے چلو!

کافذ کے کورے میں کھودیا کو لاؤں کیا
پیدا شدہ شان تھی اُس کے نشان سے
گویا نروش و جوش کو دل میں دبائے تھا
تیور بگڑ رہے تھے کچھ ایسا خیال تھا
لیکن خموشی اُس کی باوا ز کرنا

ہمت کا اس کی حال میں لکھ کر سناؤں کیا
جاتا تھا نوجوان عجب آن بان سے
چلتا قدم اٹھائے تھا اور سر جھکائے تھا
کیا جانے فکر مند تھا یا کیا ملال تھا
سینے میں نعرہ بند تھا منہ میں تھی صدا

دیتی تھی ہر قدم پہ صدا ہاں بڑھے چلو!

دامن تھا اُس کے شوق کا اور میرا تھ تھا
آبادی یا یک شہر کی ہم کو نظر پڑی
باتیں کہ غم سے دل کی گرہ کھلتی ہوئی
دروازوں سے چراغ نمودار سامنے

وہ آگے آگے جاتا تھا میں ساتھ ساتھ تھا
جوا کے خود سیاہی شب راہ پر پڑی
خوشحال گھراؤں میں خوشی بولتی ہوئی
گھر گھرا جائے تھے سردیوں سامنے

تھے ہر طرف سے بارش کے سداں پکارتے
آرام کہ رہا تھا کہ آگے نہ جانے جا
سیجھانے والے سب یونی سمجھا کے رہ گئے

تارے بھی اک کنارے سے تھے آنکھارتے
اور میں بھی کہ رہا تھا کہ سچ سچ بجا بجا
اتنا بھی وہ نہ سمجھا کہ میں کیا یہ کہ رہا ہے

چپکے سے گر کنا تو کہا ہاں بڑھے چلو!

پھیرا تھا منہ ابھی نہ شب تیرہ فام نے
پیری کی برف نے تھا اُسے تن بدن دیا
بولاکہ اسے جوان عجب کالی رات ہے
سنان جنگل اور یہ درختوں کی سائیں ہیں
طوفان برف سرد پہ کھڑا ہے تلملہ ہوا
مانا کہ لطف عیش و طرب پر نظر نہیں
یہ سن کے نکلا شعلہ دلِ نوجوان سے

اک پیر مرد تجربہ کار آیا سامنے
موئے سفید نے نمدی پیر ہن دیا
اور وقت وہ کہ رات ہے یا حق کی ذات ہے
چاروں طرف پہاڑ ہیں دھڑکتی بلایں
ہے یہ وہ کہ موت کا منہ ہے کھلا ہوا
جانا کہاں ہے جان کا بھی تجھ کو در نہیں
گویا ستارہ ٹوٹ پڑا آسمان سے

اور اُس نے دی کرک کے صدا ہاں بڑھے چلو!

تھی رات رنگ ابھی رُخ عالم پہ پھیرتی
کیا جانے ہم نکل کے کدھر کے کدھر گئے
موسم بھی معتدل ہے ہوا ہے لہک گئی
اور جانور میں رات کے آواز دے رہے
پانی کی ہیں پہاڑ سے آوازیں آرہیں
ناگاہ آئی ایک پرینا دسا سنے
جاتے ہوا یہ وقت میں کس کام کے لئے
دیکھا پری کو اُس نے مگر چشمِ ناز سے

گر شک اڑاتی تھی گئے غنبر بکھیرتی
دیکھا کہ جاڑے زور سے اپنے اتر گئے
خوشبو کا ہے یہ حال کہ دنیا ہلک گئی
مل جل کے ساتھ جیسے ہوں دسار دے سے
جوز بروہم کی دور سے ہیں سڑکار ہیں
کی دھڑکل سے بلبیل رنگس کلام نے
آرام کیجے رات ہے آرام کے لئے
اور پاس ہو کے نکلا عجب سوز و ساز سے

پھر اتنا مسکرا کے کہا ہاں بڑھے چلو!